باقیاتِ کوثر

تحقیق وتدوین

مرتبہ
قاضی گل مینا کمال احمد

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ

Baqeyat-E-Kausar

Edited by

QUAZI GULMEENA

Year of 1st edition : 2013

ISBN : 978-81-89438-1-2

Price Rs -250/-

نام کتاب	:	باقیاتِ کوثر
مرتبہ	:	قاضی گل مینا کمال احمد
کمپیوٹر ٹائپنگ	:	قاضی عرفان کمال احمد
سنِ اشاعت	:	اگست ۲۰۱۳ء
تعداد	:	۲۰۰
قیمت	:	۲۵۰ روپئے
ناشر	:	اردو چینل

۷/۳۱۲۱ گجانن کالونی، گووندی، ممبئی ۴۳ ۴۰۰۰

Published by

URDU CHANNEL

7/3121, Gajanan Colony

Govandi

Mumbai 400043

انتساب

والد قاضی کمال احمد

اور

والدہ صبر النساء

کے نام

جن کی شفقتوں اور دعاؤں نے مجھے کسی قابل بنایا

لگ ہی جائے گا یقیناً مرے قاتل کا سراغ
لے کے نکلے گی ہر اک بوند ہتھیلی پہ چراغ

مقدمہ

عبدالحمید کوثر جائسی، ضلع رائے بریلی کے مشہور و معروف، علمی و ادبی قصبہ جائس، محلّہ خواجگاں کے ایک خیاط گھرانے میں ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہیں پلے بڑھے اور یہیں سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ ان کے والد محمد احمد شاعر نہیں تھے مگر ''شیخ جامی'' کا کلام انتہائی خوش الحانی کے ساتھ جلسہ یا محفل میں اس طرح پڑھتے کہ سماں بندھ جاتا تھا۔ کثرتِ مطالعہ نے ان کے ادبی ذوق کو نکھارا تھا۔ یہی چیزیں کوثر کو بھی ورثے میں ملیں۔ کوثر کی شادی ۱۹۳۴ء میں تعلیم کے دوران ہی کم عمری میں ہو گئی تھی۔ ۱۹۳۶ء میں انھوں نے ورنا کیولر فائنل امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا مگر کسی نامساعد حالات کی وجہ سے ہائی اسکول پاس کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ۱۹۴۳ء میں پہلی بار تلاشِ معاش کے سلسلے میں کانپور گئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ کانپور کی ادبی فضا انھیں اس قدر راس آئی کہ، بقول عزیز الہ آبادی:

ہم ترے در سے کہیں اور چلے جاتے مگر
دل ہی کمبخت رضا مند نہیں ہوتا ہے

۱۹۴۴ء میں کوثر نے سینٹرل اوڈینس ڈپارٹمنٹ کانپور میں بحیثیت کلرک ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ہند کے بعد اس ڈپارٹمنٹ سے ہزاروں ملازمین کو برطرف کر دیا گیا جس میں کوثر بھی شامل تھے۔ کچھ عرصہ بعد انھیں کپڑے کی مشہور زمانہ ایلگن مل میں ملازمت مل گئی جس میں وہ کینٹین انچارج کے عہدے پر فائز ہو کر ۱۹۷۶ء میں سبکدوش ہوئے۔ یوں تو کوثر نے کم عمری سے ہی شعر گوئی شروع کر دی تھی اور ادبی سرگرمیوں میں شریک رہا کرتے تھے مگر ملازمت سے سبکدوشی کے بعد اپنے آپ کو علمی و ادبی مشاغل میں اس قدر مصروف کر لیا تھا کہ شعر و ادب ان کا اوڑھنا بچھونا ہو گیا تھا۔ مختلف انجمنوں اور ادبی تنظیموں کی سرپرستی کرتے اور ساتھ ہی اپنے گھر میں ایم۔ اے اور بی۔ اے کے طلبہ کو ٹیوشن بھی دیا کرتے تھے۔

کوثر جائسی اپنی ذاتی زندگی میں نہایت ہی منکسر المزاج اور کم گو تھے۔اخلاقی حیثیت سے وہ قابلِ قدر ہستی تھے۔ان کا زیادہ تر وقت کتابوں کے مطالعے اور ادبی سرگرمیوں میں صرف ہوتا تھا۔کانپور کی تمام ادبی انجمنوں اور اداروں میں وہ ہر دل عزیز تھے اور ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ان کی علمی وادبی حیثیت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں ہی دو بار جشنِ کوثر جائسی منایا گیا۔ پہلی بار ۲۵ر جنوری ۱۹۷۹ء، صابو صدیق کالج، بائیکلہ ممبئی، کالی داس گپتا رضا کی سربراہی میں اور دوسری بار ۲۰۰۴ء، کانپور شہر میں محمد ارشد (کانپور شہر کے ایک مشہور تاجر، شاعر اور ادب پرور) کی سرپرستی میں منایا گیا۔ کوثر کی علمی وادبی خدمات پر پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر شارب ردولوی، ڈاکٹر سعید عارفی اور کئی اہلِ نقد ونظر نے تبصرے لکھے جسے عشرت ظفر نے ''نشاطِ فکر'' کے عنوان سے مرتب کر کے کتابی شکل دی ہے۔

شہر کانپور کی علمی وادبی فضا کو تاریخی اوراق کی زینت بنانے میں جن شعرا کا اہم رول ہے، کوثر جائسی بھی انھیں میں سے ایک ہیں۔ان کا شمار بیسویں صدی کے معتبر عروضی اور استاذ الشعرا میں ہوتا ہے۔ان کے دو مجموعۂ کلام ''کہیں گاہ خیال'' ۱۹۸۱ء (غزل، رباعی اور نظم) اور ''مشرق ایماں'' ۱۹۸۷ء نعتیہ مجموعہ منظر عام پر آ کر اہل ذوق سے داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔زیر نظر مجموعہ کوثر جائسی کا بچا ہوا بیش قیمت شعری ذخیرہ ہے جسے اس کم مایہ نے ''باقیات کوثر'' کی شکل میں ترتیب دے کر محفوظ کر دیا ہے۔اس مجموعے میں حمد، نعت، منقبت، غزلیں، نظمیں، رباعیات، قطعات اور متفرق اشعار شامل ہیں جو اب تک اشاعت سے محروم تھے۔علاوہ ازیں اس مجموعے کا ایک حصہ ان خطوط پر مشتمل ہے جو ان کے معاصرین نے انھیں تحریر کیا تھا۔یہ خطوط محض رسمی باتوں پر مبنی نہیں بلکہ اہم ادبی نکتوں اور بحثوں پر مشتمل ہیں۔امید ہے کہ میری اس معمولی کاوش سے اہل نظر کے ذوق کی تسکین کا سامان بہم پہنچے گا۔

زندگی میں بے خیالی یا جنون میں انسان سے کچھ ایسے کام بھی سرزد ہو جاتے ہیں جن کی اہمیت وافادیت کا اسے پہلے سے اندازہ نہیں ہوتا کچھ ایسا ہی زیر نظر کتاب کے سلسلے میں مجھ سے بھی ہوا۔ایم۔فل۔کے تحقیقی مقالے کے لیے مجھے ایک ادبی شخصیت کی تلاش تھی۔محترمی ڈاکٹر فخر عالم اعظمی (ایسوشیٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی، فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ) نے کمال جائسی کی طرف توجہ مبذول کرائی۔کمال جائسی سے ابھی بات چل ہی رہی تھی کہ قمر صدیقی (مدیر اردو چینل) نے کمال جائسی کے والد علامہ کوثر جائسی کی علمی وادبی شخصیت کا تعارف پیش

کیا۔کوثر جائسی پر تحقیق کے لیے جب میں نے دل چسپی دکھائی تو کمال جائسی خوشی خوشی اپنا تعاون پیش کرنے کے لیے راضی ہو گئے اور کانپور میں اپنے چھوٹے بھائی ضمیر جائسی سے رابطہ کرایا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ میرے ساتھ اس معاملے میں تعاون کریں لہٰذا ضمیر جائسی اور ان کی چھوٹی بہن بہار فاطمہ، دونوں مل کر گھر میں موجود کوثر جائسی کا ذاتی کتب خانہ اور گھر کی دیگر الماریوں میں بکھرے ہوئے انبارِ دفاتر کو اکٹھا کر کے ان میں سے کوثر جائسی کے کلام اور ان کے معاصرین کے خطوط مجھے قسط وار بھیجتے رہے۔یہ سلسلہ تقریباً پانچ ماہ تک چلتا رہا۔ضمیر جائسی اور بہار فاطمہ کے لیے یہ کام جتنا وقت طلب تھا میرے لیے اتنا ہی صبر آزما۔اگر ضمیر جائسی اور بہار فاطمہ کا تعاون نصیب نہ ہوا ہوتا تو ''باقیات کوثر'' کی تکمیل ممکن نہ ہوتی۔اسی دوران محترمی ڈاکٹر فخر عالم اعظمی کو کوثر جائسی کے غیر مطبوعہ کلام اور خطوط کی تعداد کی اطلاع کی۔انھوں نے اسے کتابی شکل میں شائع کرانے کا مشورہ دیا۔

''باقیات کوثر'' کی تدوین وترتیب کے تعلق سے مجھ پر پہلی بار آشکار ہوا کہ ایم-اے اور پی-ایچ-ڈی کے درمیان ایم-فل کی تربیتی کلاسوں کی کیا اہمیت ہوتی ہے اور ایک محقق کے لیے یہ تربیت کیا معنی رکھتی ہے۔کیوں کہ ''باقیات کوثر'' میں شامل کلام اور خطوط کسی مسودے کی شکل میں محفوظ اور یکجا نہیں تھے۔بلکہ گھر کی مختلف الماریوں اور کوثر جائسی کے ذاتی کتب خانے میں کرم خوردہ کتابوں اور کاغذات کے درمیان اوراقِ پریشاں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔جن میں سے بہت سی نادر ونایاب کتابیں، کوثر جائسی کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام اور دیگر مشاہیر علم وادب کے خطوط پوری طرح سے دیمک کی خوراک بن چکے تھے۔اگر ایک دو موسم باراں اور گزر جاتے تو شاید اس مجموعے کی اشاعت ظہور میں نہ آتی۔

تدوین وترتیب کے سلسلے میں جو مشکلیں پیش آئیں وہ یہ کہ بوسیدہ اور کرم خوردہ اوراق سے تصحیح متن کا ماخذ اور کئی جگہوں پر الفاظ غائب یا مبہم تھے اور روشنائی پھیکی یا پھیل جانے سے تحریر غیر واضح ہو گئی تھی۔کچھ اوراق تو ایسے تھے کہ ایک طرف کی تحریر کا عکس دوسری طرف آ گیا تھا اور دونوں طرف کی تحریریں آپس میں گڈمڈ ہو گئی تھیں۔غرض ناچیز نے ان اوراقِ پریشاں کو تدوین اور ترتیب دے کر مسودے کی شکل دی۔

کوثر کے کلام میں کچھ اشعار ایسے بھی تھے کہ بھیگنے اور دیمک لگنے کی وجہ سے ان کا صدر، عروض یا ابتدا اور ضرب کے حصوں میں کوئی نہ کوئی حرف ضائع ہو گیا تھا اور کسی شعر کے مصرع اولیٰ یا مصرع ثانی میں حشو یا حشو تک مصرع غائب تھا یا الفاظ غیر واضح تھے۔ایسے حالات میں سیاق وسباق سے مدد لینی پڑی اور جو شعر ہزار

کوششوں کے باوجود بعید القیاس رہے انھیں حذف کر دیا۔ مکتوب کے باب میں جہاں تحریریں غائب تھیں وہاں ''قضا'' لکھ دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ کئی جگہ پر کوثر نے مقطع استعمال نہیں کیا ہے لیکن طرز ادا پر انھیں کا گمان گزرتا ہے۔ ان کے بڑے صاب زادے کمال جائسی کے مشورے سے ایسے کلام کو باقیات کوثر سے (ایک دو کے علاوہ) نکال دیا گیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ کوثر کے پاس بہت سے شعرا اصلاحِ سخن کے لیے اپنا کلام بھیجتے تھے اور وہ اپنے کئی تلامذات کو مشاعروں یا نشستوں میں پڑھنے کے لیے کلام لکھ کر دیتے تھے اور اپنے پاس مع تخلص کوثر ریکارڈ بھی رکھتے تھے۔ لہٰذا باقیاتِ کوثر میں شامل کلام میں سے کسی پر بھی، کسی صاحب کو دوسرے شعرا کے کلام کا گمان گزرے تو وہ بلا تکلف خاکسار سے اپنی غلط فہمی پر تشفی کر سکتے ہیں اور میں ان کی مشکور بھی ہوں گی۔

کوثر جائسی کا انتقال ۲۰۰۵ء میں ہوا۔ انتقال کے بعد ان کے علمی و ادبی سرمائے کا جو حال اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے اہلِ علم و ادب بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زندگی بھر غزل کی زلفیں سنوارنے والے شاعر کی جدائی کے غم میں غزل خود زلف بکھیرے نوحہ کناں ہے۔ اسے بروقت محفوظ کرنے کی تدبیر نہ کی گئی ہوتی تو ہم بیسویں صدی کے ایک معروف عروض داں اور اہم شاعر کے کلام سے محروم رہ جاتے۔

''باقیات کوثر'' کی ترتیب میں کم و بیش چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ اور یہ چھ ماہ کی مدت میرے ایم۔ فل کے پہلے ٹرم کا زمانہ ہے جسے ''باقیات کوثر'' کی نذر کرنا پڑا۔ اسی دوران کچھ نامساعد حالات سے بھی گزرنا پڑا۔ میرا چھوٹا بھائی عرفان جو اس مجموعے کو ٹائپ کر رہا تھا۔ وہ پیر کے شدید درد میں مبتلا ہو گیا، پریشانیاں بڑھتی گئیں لیکن میں اور میرا بھائی ہمت نہیں ہارے۔ میں نے اپنا کام جاری رکھا اور عرفان بھی اپنی تکلیف کے باوجود ٹائپنگ کا کام انجام دیتا رہا۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد پروف ریڈنگ کی ذمہ داری جناب فاروق احمد جائسی اور ضمیر جائسی نے سنبھالی۔ علاوہ ازیں گھر کے افراد اور دوست و احباب کے مشورے اور حوصلہ افزائی بھی ''باقیات کوثر'' کی تکمیل میں میرے لیے معاون و مددگار ثابت ہوئی۔ خوشی کے اس موقع پر محترم استاذ پروفیسر صاحب علی، صدر، شعبۂ اردو ممبئی یونی ورسٹی کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے کتاب کی پشت پر میری حوصلہ افزائی کی خاطر چند کلمات رقم کیے۔

مذکورہ بالا تمام حضرات کی میں تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں کہ اگر ان محسنین کا تعاون و خلوص شامل نہ ہوتا تو ''باقیات کوثر'' کی اشاعت شاید اتنی جلد اور آسانی سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ پاتی۔

کوثر جائسی کی شخصیت غیر معروف نہیں ہے۔ متعدد ادبی رسائل و جرائد میں ان کا کلام شائع ہوتا اور لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے نشر بھی ہوتا رہتا تھا۔ علاوہ ازیں مرحوم بیسویں صدی کے نمایاں عروضیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے تلامذات کی فہرست طویل ہے جن میں سے کچھ ہندوستان گیر شہرت کے مالک بھی ہوئے۔ زیب غوری بھی ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ان تلامذہ کے علاوہ بیسویں صدی کے متعدد مشاہیرِ ادب، شعرا، ادبا، اساتذہ اور طلبا اکثر و بیشتر ان سے زبان و ادب کے تعلق سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ اس بات کا اندازہ قارئین کو مکتوب کے باب میں ہو جائے گا۔ رسالہ نگار ۱۹۵۹ء میں علامہ نیاز فتح پوری اور نواب جعفر علی خان اثر لکھنوی کے عروضی نکات پر مباحث کا ایک سلسلہ شروع ہوا تھا جس میں اثر لکھنوی نے عروضی نکات پر کوثر جائسی سے مدد لی تھی۔ اس کی شہادت مکتوب کے باب میں شامل اثر لکھنوی کے خطوط سے ملتی ہے۔ ان میں سے دو خطوط کا عکس بھی اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ یہ چند خطوط جو اس مجموعے کی زینت بننے کے لیے باقی رہ گئے تھے، ان سے قارئین کو کوثر کی علمی و ادبی عظمت کا تعین کرنے میں آسانی ہوگی۔

باقیاتِ کوثر کی ترتیب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کلام سنہ کی ترتیب سے ہوں نہ کہ ردیف کی ترتیب سے، تاکہ کوثر کو فکری ارتقا کے آئینے میں دیکھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔ کلام کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جس پر تاریخ یا سنہ درج نہیں تھا، اسے آخر میں رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اصناف سخن کے ضمن میں شخصی مرثیہ، قصیدہ، نظم، رباعی، قطعہ اور متفرق اشعار بھی درج ہیں۔

۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء کے درمیان میں کوثر کو بھیجے گئے چند مکتوب موجودہ املا کے مطابق نہیں ہیں، یہی حال کوثر کے کلام کا بھی ہے۔ لہٰذا قارئین کی سہولت کے لیے باقیاتِ کوثر کی ترتیب کے دوران ان الفاظ کے املا کو بدل کر موجودہ املا کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ فٹ نوٹ میں اسے دینے کے بجائے یہاں پر چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مجہ = مجھ / تجہ = تجھ / کبہی = کبھی / ہاتہہ = ہاتھ / اسکو = اس کو / کسکا = کس کا / کسقدر = کس قدر

اسی طرح سابقے اور لاحقے میں بھی املے کا خیال رکھا گیا ہے جیسے:

خوشبو = خوش بو / غمخوار = غم خوار / آرامگاہ = آرام گاہ / دیندار = دین دار وغیرہ وغیرہ۔

کوثر جائسی صرف اردو ہی نہیں بلکہ فارسی زبان پر بھی قدرت رکھتے تھے اور تفننِ طبع کے لیے کبھی کبھار فارسی میں کلام موزوں کرتے تھے۔ دورانِ تحقیق فارسی کی دو غزلیں اور ایک تہنیتی نظم ملی، انھیں بھی اس مجموعے میں شامل کرلیا گیا ہے۔

کوثر کی شاعری کا زمانہ پچھتر برسوں پر محیط ہے۔ عنفوانِ شباب ہی سے انھوں نے کلام موزوں کرنا شروع کردیا تھا۔ رسائل و جرائد میں ان کا کلام کب سے شائع ہونا شروع ہوا، اس کا علم نہیں ہوسکا اور نہ ہی اس زمانے کے ان رسائل و جرائد کی تفصیلات معلوم ہوسکیں۔ پہلا مجموعۂ کلام ''کمیں گاہِ خیال'' ان کے شاگردِ رشید، فاروق جائسی نے ۱۹۸۱ء میں ترتیب دیا۔ اس مجموعے میں شامل کلام کی تاریخ درج نہیں ہے۔ جس سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہے کہ کوثر کے ابتدائی کلام کا کیا رنگ رہا ہوگا اور بعد میں کیا۔ پہلے مجموعے کی اشاعت تک کوثر نے اپنے ابتدائی کلام میں کافی ترمیم واصلاح کی ہوگی۔ یہی حال اس مجموعے کا بھی ہے۔ اس میں شامل جو بھی کلام ہے وہ سب کا سب ترمیم واصلاح شدہ ہے، لہٰذا کوثر کے کلام کے مطالعے سے ان کی ابتدائی فکر اور ذہنی رو کا پتا لگانا مشکل ہے۔ اس لیے ان کے فن کو سمجھنے اور لطف اندوز ہونے کے لیے میں نے دوسرا پیمانہ یہ اخذ کیا ہے کہ کوثر کے کلام کا کلی طور پر فنی اور موضوعاتی محاکمہ کیا جائے تاکہ قارئین کو ان کے کلام سے آسودگی حاصل ہوسکے۔

شاعری کی خصوصیات:

زبان کی خوب صورتی کا دارومدار الفاظ کے برمحل استعمال پر ہے اور اسی سے صوتی ہم آہنگی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ الفاظ قالب ہیں اور معنی اس کی روح، قالب کا خوب صورت ہونا ضروری ہے کیوں کہ روح تو بدصورت اور مکروہ شے میں بھی ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے شبلی نے معنی پر الفاظ اور عقل پر جذبے کو ترجیح دی ہے۔ کوثر جائسی کی شعری خصوصیات کو ضمنی پیرایوں میں جانچنا احسن ہوگا۔

تراکیب کا استعمال:

شعری ترکیب کے استعمال میں پستی و بلندی، سبکی و گرانی، زور و نزاکت میں توازن و تناسب اس قدر باہم ہوں کہ اس میں امتیاز کرنا دشوار ہوجائے۔ اس بات کا خیال رکھنے سے کلام میں ایک لطیف انبساط پیدا ہوتا ہے۔ کلام کی خوب صورتی اور صوتی آہنگ میں تراکیب کا استعمال اہمیت رکھتا ہے۔ الفاظ کا انتخاب اور اس

پر ترکیبوں کی ملمع کاری سے صرف شعر کی خوب صورتی ہی میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ یہ شعر کے مفہوم کی ادائیگی میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے لہٰذا کسی شاعر کی قادرالکلامی کا اندازہ اس کے ذخیرۂ الفاظ اور ترکیبوں کے استعمال سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہاں کوثر کی استعمال کردہ چند ترکیبوں کے نمونے پیش کیے جارہے ہیں۔

فروغِ بادۂ غم، تشہیرِ مصائب، بہائے شوخیِ فکر و نظر، طہارتِ دل و تابِ نظر، منزلتِ سنگ و سر، طرفہ کاریِ سمع و بصر، عنانِ اشہب و شام و سحر، حاصلِ انجمنِ ہم نفساں، فرسودۂ چشمِ نگراں، شانِ حسنِ نمود، طلوعِ جمالِ یار، عالمِ برق و سحاب، مے خانۂ سحر، شرابِ قیاس، رنگِ حسنِ رسوائی، افسردگیِ ذوقِ تماشہ، مے خانۂ دل، موقعِ عرضِ وفا، مجرمِ عرضِ تمنا، ماجرائے عہدِ رسوائی، تمہیدِ پردہ داریِ عالم، اعتبارِ مے کدۂ جم، رگِ مہتاب و انجم، رسوائے بازارِ دو عالم، فروغِ حسنِ ساقی، سرِ جادۂ جنوں، خیالِ عارضِ خوباں، حسنِ توازن، سرورِ مئے آلام، بادۂ اسرار، اجتماعِ گل و گوہر، نمودِ تنویر، شرحِ مو بہ مو، آئینۂ حسنِ بیان، زندانِ آب و گل، مستِ مئے نیاز، مے خانۂ دوام، تکمیلِ عنایات، وقفِ صد آزار وغیرہ۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۷ء تک عالمی سطح پر انتشار کا زمانہ تھا اسی درمیان دو عالمی جنگیں ہوئیں۔ ہندوستان آزاد ہوا، ہندو پاک کا بٹوارہ ہوا۔ اسی درمیان بہت سے گمان اور توہمات کے بت ٹوٹے۔ نئی روشنی عام ہوئی، سیکولرازم اور مارکسزم کے زیرِ اثر کئی تحریکیں وجود میں آئیں جس سے ادب کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ ترقی پسند تحریک کے ذریعے روایت شکنی کا واضح آغاز ہوا۔ ادب برائے زندگی کا نعرہ بلند ہوا۔ جہاں یہ سب ہو رہا تھا وہیں ادب برائے ادب کے دلدادہ روایت کے پرچم تلے خاموشی سے وقت کے ساتھ قدم سے قدم ملائے اپنا سفر طے کرتے رہے۔ انھیں روایت پسندوں میں کوثر جائسی بھی ہیں جن کی شاعری جمالیات کا پرتو ہے۔

کوثر کے ذخیرۂ الفاظ کے دروبست اور برمحل استعمال سے ایسا نہیں لگتا کہ انھوں نے اس میں کوئی نیا اضافہ کیا ہو۔ انھوں نے ذریعۂ اظہار کے لیے سادہ عام فہم اور ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جن سے عام ذوق رکھنے والا بھی مانوس ہوگا۔ تشبیہات اور استعارات بھی وہی ہیں جو اس دور کے تمام شعرا کے یہاں ملتے ہیں اور موضوعات میں بھی کوئی نیا پن نہیں ہے۔ مثلاً:

متعلقاتِ چمن، متعلقاتِ مے کدہ، متعلقاتِ سفر، متعلقاتِ بحر، متعلقاتِ کفر و ایماں، متعلقاتِ قتل، متعلقاتِ بزم اور متعلقاتِ حسن و عشق وغیرہ وغیرہ۔

یعنی حیاتِ انسانی سے جڑے ہوئے کسی بھی متعلقات پر نادر تشبیہات و استعارات نہیں ہیں اور نہ خیال ہی نئے ہیں۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب ان چیزوں میں کچھ نیا نہیں ہے تو ناچیز نے باقیاتِ کوثر کی ترتیب و

اشاعت کے لیے اتنی زحمت کیوں اٹھائی؟ اس کا جواب قاری کو باقیاتِ کوثر کے مطالعے سے مل جائے گا اور سو بات کی ایک بات یہ کہ مجھے کوثر کے اسلوب اور حسنِ بیان نے متوجہ کیا۔ لہٰذا میں کوثر کے فن اور موضوع پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتی ہوں۔

اسلوب:

کوثر کا شاعرانہ کمال یہ ہے کہ انھوں نے سادہ اور عام فہم الفاظ کے ذریعے معمولی سے معمولی اور ہزار ہا بار سنے سنائے ہوئے جملوں اور خیالات کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ اس میں ندرت اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے کلام کو ایک عام قاری پڑھ تو سکتا ہے مگر مفہوم سمجھنے اور شعر کی روح تک پہنچنے کے لیے ذوقِ سلیم کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ کوثر اپنے خیالات کی ترسیل میں غالب کا شیوۂ گفتار اختیار کرتے ہیں مگر اس قدر نہیں کہ مشکل پسندی کی راہ اپنا لیں۔ کوثر کے یہاں ایہام، رمز و کنایہ اور ایمائیت زیادہ ہے مگر مشکل پسندی کی حد تک نہیں۔ کوثر غزل کے شاعر ہیں، جمالیات کے دبستان سے ان کا تعلق ہے اور عشقیہ شاعری ان کا وصف۔ ان کی شاعری میں داخلی کیفیت کا بیان واضح ہے وہ اپنی داخلی کیفیت کے اظہار کے لیے راست گفتاری کا پیرایہ اختیار نہیں کرتے بلکہ رمز و کنایہ اور ایمائیت سے کام لیتے ہیں اور یہی غزل کا تقاضا بھی ہے۔ غزل اخفا کا فن ہے اور اس فن کے تقاضے کو پورا کرنے والا شاعر ہی دیگر شعرا سے منفرد ہوتا ہے اور اس کے کلام کی لذت و شیرینی اور لطافت کا اثر دیرپا ثابت ہوسکتا ہے۔

کوثر کے یہاں ایسے کلام کی فراوانی ہے جسے سن کر بے اختیار واہ! واہ! کرنے کو دل چاہتا ہے اور کلام کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جسے سن کر سامع واہ واہ کرنا بھول جائے اور تخئیل میں ایک نیا طبق روشن ہو جائے۔ کوثر کو اپنے اس قسم کے اشعار کی اہمیت اور تاثیر کا علم تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں:

خاموش بھی کر دیتی ہے تاثیر سخن کی
کچھ داد ہی اشعار کی قیمت تو نہیں ہے

اور جن اشعار پر بے اختیار واہ! واہ! کی داد ملے ایسے اشعار کا بھی انھیں خوب احساس تھا مگر اس کا اظہار کنایہ کے انداز میں کرتے ہیں:

بدنام سے ہو جاتے ہیں کوثر مرے اشعار
در پردہ ان آنکھوں کی شرارت تو نہیں ہے

(مندرجہ بالا دونوں اشعار کمیں گاہِ خیال سے نقل کیے گئے ہیں)

کوثر نے جذبِ دل کے اظہار کے لیے استعارات سے بھی خوب کام لیا ہے جس سے شعر میں گہرائی و گیرائی در آئی ہے اور فکر یہ پہلو اجاگر ہو گئے ہیں۔ اشک کو موتی، دنیا کو سفر آباد اور لالہ کو خون کے دھبے کا استعارہ لاکر شعر میں جان ڈال دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ٹپکا کے اشک سر بہ گریباں ہے آج عشق — موتی تھے کچھ جو گوشۂ داماں میں کھو گئے
ٹھہراؤ کسی شے کے مقدر میں نہیں ہے — دنیا ہے وہ جادہ جسے کہئے سفر آباد
لالہ کہاں مرے دشتِ غم میں دھبا ہوگا کوئی لہو کا

حسنِ بیان کا ایک مؤثر پیرایہ تشبیہ بھی ہے اور کوثر نے اس کے استعمال میں بھی فراخ دلی دکھائی ہے۔ حالاں کہ انھوں نے کوئی نادر تشبیہ نہیں پیش کی ہے لیکن حسنِ ادا اور اسلوبِ بیان کی وجہ سے شعر میں لطافت اور تازگی کا احساس ہوتا ہے:

اس کے رخ پر قطرہ عرق کا
چاندی سا ہے سونا سا ہے

چاندی اور سونا کو مشبہ بہ قرار دینا پرانی باتیں ہیں۔ عشقیہ کلام میں شاعر عموماً سونا سے سنہری زلف اور چاندی سے رنگت کو تشبیہ دیتا ہے لیکن کوثر نے یہاں معشوق کے رخ پر پسینے کے قطروں کو قطرۂ عرق کہا ہے جو کہ استعارہ بالکنایہ ہے اور سورج کی کرنوں کا ذکر حذف کر کے شعر میں ایمائیت پیدا کر دی ہے۔ جس سے شعر کے مفہوم میں لطافت کا احساس ہوتا ہے اور یہی شاعری کا حسنِ بیان اور جدّتِ ادا ہے۔ دوسری مثال دیکھیں:

پھر انھیں رنگین ہونٹوں پر ہنسی پاتا ہوں میں
پھول کے دامن پہ رقصاں چاندنی پاتا ہوں میں

اس شعر میں حرفِ تشبیہ حذف کر دیا ہے پھر بھی اس شعر کی لطافت اور نزاکت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہی کوثر کا فن ہے کہ وہ معمولی خیال کے لیے بھی ایسے تلازمۂ خیال کا انتخاب کرتے ہیں جس سے شعر

میں دلکشی اور نزہت کا احساس یقینی ہو جاتا ہے۔ چند مثالیں اور دیکھیں:

کچھ یوں خیالِ عارضِ خوباں میں کھو گئے ہم جیسے نورِ صبح گلستاں میں کھو گئے
یاد اور ان کی یاد ارے توبہ لمحہ لمحہ یہ تیز تیز شراب
پوچھا جو مزاج تیرگی نے مانندِ چراغ جل اٹھا ہوں

کوثر کے اسلوب کا ایک واضح پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے کلام کا زیادہ تر حصہ رمز و ایما اور اشارہ و کنایہ پر مشتمل ہے۔ وہ زیادہ تر کنایہ اور ایمائیت سے کام لیتے ہیں جس سے ان کی شاعری میں دلکشی پیدا ہو گئی ہے، بقول شخصے ''تصویر کا دھندلا رخ زیادہ پرکشش ہوتا ہے'' اس قول میں صداقت ہے کیونکہ انسانی جبلت تجسس کا تقاضہ کرتی ہے اور جو چیز غیر واضح، مخفی اور دھندلی ہوتی ہے انسان اسے واضح دیکھنا چاہتا ہے اور وہ چیز جب واضح ہو جاتی ہے تو انسان کا تجسس اس چیز کے تئیں ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے غزل کو اخفا کا فن کہا گیا ہے اور عشقیہ شاعری کے لیے تو یہ لازم و ملزوم ہے۔ جن شعرا نے اس کا خیال نہیں رکھا ان کے کلام پستی اور کم مائیگی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ کوثر کے کلام میں رمز و کنایہ کا انداز جا بجا ملتا ہے اور یہی ان کی شاعری کا اسلوبِ خاص ہے جس سے ایک لطیف اور پر تجسس احساس کا بیدار ہونا لازمی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نگہہ شرگیں کی بات ہے اور تم نے کب اپنی بات مانی ہے
انھیں خبر نہیں میری ستم پرستی کی غرورِ عشق جسے ہے وہ خاکسار بھی ہے
اک نہ اک روز تمھیں ہم سے خفا ہونا ہے ہم سمجھتے ہیں جو انجامِ وفا ہونا ہے
نظریں جو بہکتی تھیں لہراتے تھے پردے بھی کس حسنِ توازن سے تھی جلوہ گری پہلے

اور یہ شعر رمز و کنایہ کے باب میں ضرب المثل ثابت ہو سکتا ہے۔ دیکھیے کس خوبی سے ایک عام خیال کو کوثر نے لطیف مفہوم کا قالب عطا کیا ہے:

کرتے نہ تم اشارہ کھلتا نہ راز دل کا
خوشبو کہیں اڑی ہے موجِ ہوا سے پہلے

کوثر نے مجاز کی تمام اقسام سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ ان کی جدت طبع نے مجازِ مرسل میں بھی ان سے شعر کہلوایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

اے حسن دل آزار ابھی بات ہے کل کی دامن ترے ہاتھوں سے چھڑایا ہے ہمیں نے
مرا ڈوبتا سفینہ یہ نہ پوچھو کیوں کر ابھرا مجھے طعنہ دے گئی تھی کس موج کی روانی

صنعت نگاری:

صنعت نگاری سے کلام کے حسن اور دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔ صنعت کے ذریعے شاعر اپنے خیال کے اظہار میں تنوع لاتا ہے۔ اظہارِ خیال کے دو معروف پیرایۂ بیان بالواسطہ اور بلا واسطہ کے علاوہ تیسرا پیرایہ تجاہل کا ہے اپنے مخفی جذبات یا خارجی محسوسات کے اظہار کے لیے کبھی کبھی شاعر تجاہلِ عارفانہ کا پیرایہ استعمال کرتا ہے۔ کوثر کے یہاں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں:

یہ کس کی زلفِ رخ کا منظر نکھار پر ہے منھ شام کا دھواں ہے سہمی ہوئی نظر ہے
آواز دے رہی ہے کیا جانے کس کی منزل ہر ہر نفس ہمارا آمادۂ سفر ہے
کون اے وارفتگیٔ محفل سے اٹھ جانے کو ہے ہر نفس کو اک سلامِ آخری پاتا ہوں میں

الفاظ کی بے جا تکرار سے کلام بوجھل محسوس ہونے لگتا ہے اور سماعت پر گراں گزرتا ہے۔ مگر یہی تکرار سلیقے اور حسنِ ادا سے برتی جائے تو کلام میں لطافت اور شیرینی کا لطف آتا ہے۔ کوثر نے صنعتِ تکرار کا استعمال اس طرزِ ادا سے کیا ہے کہ تازگی کا احساس ہوتا ہے:

یہ ترے خیال کی نزہتیں یہ تیرا تصورِ پیرہن کبھی جاگ جاگ اٹھی سحر کبھی جھوم جھوم اٹھا چمن
پھیکے پھیکے سے ہیں انداز و ادا کے تیور سونی سونی سی ہے محفل مرے اٹھ جانے سے
میں گزر گزر گیا ہوں مہ و مہر کی فضا سے جو کبھی کبھی ملا ہے تری یاد کا سہارا

کوثر نے تخئیل کے افق پر ابھرنے والے جذبات کے اظہارِ بیان کے لیے صنعتِ تضاد کا بھی سہارا لیا ہے۔ صنعت گری شاعری کا حسن ہے اور حسن سے فائدہ اٹھانا کوثر کو خوب آتا ہے:

ہم نے بے وقت ہر اک رت کو بدلتے دیکھا پاس آنے سے ترے دور چلے جانے سے
مقامِ صبر ہے بیگانگیٔ حسن بھی اے دل وہ فطرت آشنا ہوتا تو کیوں نا آشنا ہوتا
ترے نازِ حسن کی ابتدا مرے درد و شوق کی انتہا مرے سونگاہ کے مرحلے ترا ایک جلوۂ انجمن

کوثر ایک قادرالکلام شاعر تھے۔انھوں نے اپنے خیالات کو مفہوم کا قالب عطا کرنے کے لیے متنوع پہلو اختیار کیا ہے۔صنعت نگاری سے انھیں کافی دلچسپی تھی چنانچہ انھوں نے اسے بڑی خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے اپنے کلام میں برتا ہے۔مراۃ النظیر ایک ایسی صنعت ہے جس کا فنکارانہ استعمال وہی شاعر کرسکتا ہے جو قادرالکلام ہو اور جس کا مطالعہ وسیع ہو۔کوثر نے بھی اس صنعت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے:

فتنۂ دریا تھے سب کیا قطرہ کیا موج وحباب — جو مری کشتی سے ٹکرایا وہ طوفاں ہوگیا
سیکڑوں رنگ میں ہوتا ہے محبت کا ظہور — یہی گلشن بھی ہے صیاد بھی ہے دام بھی ہے
بہاریں لے گیا صیاد سب پھولوں کی محفل سے — چمن تو ہے مگر محروم ہے شورِ عنادل سے

اردو شاعری میں صنف غزل کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ غزل کے شعر میں وسیع سے وسیع تر خیالات کو پیش کرنے کی صلاحیت ہے۔صنائع بدائع سے کام لیتے ہوئے شاعر ایک شعر میں وہ خیال پیش کر جاتا ہے جس کی تشریح کے لیے کئی صفحات درکار ہوتے ہیں۔صنعتِ تلمیح ایک ایسی ہی صنعت ہے جس میں کسی مشہور اور تاریخی واقعہ کی طرف شاعر اشارہ کرتا ہوا گزر جاتا ہے اور سامع یا قاری کے ذہن میں وہ پورا واقعہ تازہ ہوجاتا ہے۔کوثر نے ایک جگہ معراج کے واقعے کا لطیف اشارہ کیا ہے:

ایسا انساں بھی تا فلک پہنچا
چومتے تھے ملک قدم اس کے

ایک جگہ انھوں نے تلمیح کے ذریعہ زمانۂ جاہلیت اور آمدِ اسلام کے بعد ظلمت کا خاتمہ اور حق کی روشنی عام ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے مسلمانوں کی گزشتہ عظمت کی طرف خیال منتقل ہوجاتا ہے:

اوہام کی ظلمت میں بھٹکتی تھیں نگاہیں
فانوسِ یقیں آ کے جلایا ہے ہمیں نے

واقعہ یوسف و زلیخا اور بازارِ مصر یا حسنِ یوسف کی طرف تلمیح کے ذریعہ توجہ دلانے کا ہنر عام ہے۔کوثر نے بھی ایک جگہ تلمیح کے پردے میں خود کے جذبات کی عکاسی کی ہے اور اس طرزِ ادائیگی میں وہ کامیاب بھی ہوئے:

بے نور ہے دل تذکرۂ یار بہت ہے
یوسف تو نہیں گرمیِ بازار بہت ہے

خیال کی ادائیگی کے لیے کوثر نے صنعتِ حسنِ تعلیل سے بھی کام لیا ہے۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ انساں کی طرف تکتے ہیں کیوں حسرت سے لاتوں کو — رگِ مہتاب وانجم میں بھی شاید خونِ آدم ہے
دل کے ذرے رہ گزارِ شوق میں — اس قدر پھیلے کہ صحرا ہو گئے

کوثر کے کلام میں لف ونشر کے بھی نمونے ملتے ہیں:

بارشِ لطف تھی بربادیِ دل تک کوثر
پھر وہ موجیں نہ نظر آئیں وہ طوفاں نہ ملے

زبان و بیان میں روزمرہ اور محاوروں کا استعمال بھی اہمیت رکھتا ہے۔اور شاعری میں سلیقے سے اس کا استعمال شاعر کے حسنِ بیان کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔کوثر بھی اس بات سے بخوبی واقف ہیں:

اٹھائیں سوال نفع و زر تو جلنے لگیں جواب کے پر
جو آنسو بوئیں کاٹیں شرر زمینِ وفا عجیب سی ہے

اور یہ شعر دیکھیں جس میں شاعر نے کتنے خوبصورت اور لطیف پیرایہ میں تلازمۂ خیال ترتیب دیا ہے۔

نظر کا بار کانٹا دل کا داغِ دامنِ ہستی
تمہاری بے نیازی کا اک آئینہ ہوں محفل میں

صنعتِ ایہام اگر مشکل پسندی کی حد تک نہ ہو تو شعر ندرتِ ادا اور لطافتِ خیال کا باعث ہوتا ہے۔شعر میں ایہام کو سلیقے سے برتا جائے تو اظہارِ خیال میں لطافت اور تروتازگی کا احساس ہوتا ہے۔ ذو معنی الفاظ کے استعمال سے کوثر نے دیکھیے کتنی جذبات سے پر اور اثر انگیز بات ادا کی ہے۔جسے سن کر قوتِ متخیلہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی:

میں رہا ہونے کو ہوں چھٹتا ہے اک مدت کا ساتھ
دیدۂ تر ہے ہر اک حلقہ میری زنجیر کا

اس شعر میں رہا ہونا ذو معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ رہائی قید سے بھی ہوسکتی ہے اور زندگی سے بھی۔ زنجیر یعنی حیات کی بندش اور حلقہ یعنی خواہشیں، تمنائیں اور حسرتیں۔ جو انسان کو دنیا کی ہوس میں روکے ہوئے ہیں۔ آہ! کس نازک وقت کا نقشہ کھینچا ہے کوثر نے۔ زندگی اور موت کے درمیان کا وہ مختصر وقت جب انسان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بس چند لمحوں میں قفسِ عنصری سے اس کی روح آزاد ہونے والی ہے اس وقت تمام حسرتیں اس کے سامنے دیدۂ تر لیے کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ شعر منظر نگاری اور جذبات نگاری کی عمدہ مثال ہے۔

ایہام اور رمز و کنایہ کے علاوہ کوثر نے سہلِ ممتنع میں بھی اشعار کہے ہیں۔ انھیں سیدھے سادے انداز میں بھی پر اثر بات کہنے کا ہنر آتا تھا:

غم اٹھا کر بھی لوگ زندہ ہیں　　خوش رہے تم تو کیا کمال ہوا
لوٹا ہوں امید کے سفر سے　　اب ذہن کے زخم گن رہا ہوں

پیرایۂ بیان:

کوثر کی شاعری کا زیادہ تر حصہ عشقیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ واردات قلبی کے اظہار کے لیے انھوں نے متنوع پیرائے کو اپنایا ہے جسے پیرایۂ بیان کے اعتبار سے موضوعاتی تقسیم کر سکتے ہیں:

موضوعات:

موضوع کے لحاظ سے کوثر کے یہاں زیادہ تنوع نہیں ہے۔ ان کی شاعری کا بنیادی موضوع حسن و عشق ہے۔ اس کے بعد کچھ تصوف، فلسفہ، نقد و نظر اور انقلابی موضوعات وغیرہ ہیں جسے وہ الگ الگ پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ تفصیلات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

فلسفیانہ کلام:

فلسفہ نام ہے عقل کے موافق صحیح علم کا، فلسفہ نام ہے اس منبع کا جہاں سے عقلی نہج پر فکر کے سوتے نکلتے ہیں اور فلسفہ نام ہے اس نکتے کا جہاں سے عقل و فکر کی بنیاد پر مخفی حقائق کو افشا کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ مخفی حقائق کی تلاش و جستجو اور ارض و سماں کے درمیان اسرار و رموز سے پردہ دری سائنس کا بھی منشا ہے لیکن فلسفہ اور سائنس

میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس صرف مادی وجود اور حیاتیاتی علوم کی بناء پر کسی دلیل کو تجرباتی طور پر تسلیم کرتی ہے۔ جبکہ فلسفہ ماورائے ارض و سما کے اسرار و رموز سے نقاب کشائی کا بھی خواہاں ہے لیکن اس کی دلیل قیاس پر مبنی ہوتی ہے۔ فلسفہ کی دو معروف شاخیں ہیں، ایک عملی اور دوسری نظری۔ عملی وہ ہے جس میں انسان کے سماجی، اخلاقی، اجتماعی اور انفرادی اعمال کو صحیح طور پر انسانی بساط کے مطابق جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اور نظری میں انسانی کردار، اطوار اور گفتار کے علاوہ دنیا کی ساری چیزوں کو صحیح طور سے جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ فلسفے کا دخل شاعری میں بھی ہے۔ اردو شاعری میں غالبؔ اور اقبالؔ اس طرز کے نمایاں شاعر ہیں۔ جس شاعری میں جذبات کے بجائے عقل و فکر کے ذریعے مخفی حقائق کی پردہ دری اور جستجو شامل ہو اور نفسانی لطف و انبساط کے بجائے فکر و جستجو شامل ہو تو اس قسم کی شاعری فلسفے سے قریب ہوتی ہے۔ کوثر کے یہاں فلسفیانہ رنگ بھی ملتا ہے۔ اس طرز بیانِ میں وہ غالب کے مقلد نظر آتے ہیں۔ نمونہ دیکھیں:

ظہورِ حسن اپنا کسی کا مدعا ہے　　ازل بھی آئینہ ہے ابد بھی آئینہ ہے
مرنے پہ مرے رکھی ہے شرط اس نے بقا کی　　پابند بنایا ہے تو آزاد کیا ہے
منتظر انساں کا تھا پردوں میں حسنِ آب و گل　　یہ نمایاں کیا ہوا عالم نمایاں ہو گیا

تصوفانہ کلام:

اردو شاعری کی بنیاد تصوف پر رکھی گئی تھی۔ تصوف ایک خاص طرز فکر اور طرز عمل کا نام ہے جو مذہب کے زیر اثر ہوتا ہے۔ تصوف فلسفہ سے قریب ہوتا ہے لیکن فلسفہ کا تعلق عقل سے ہے جب کہ تصوف کا عقل اور جذبات دونوں سے۔ اس میں ایک وجدان کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ صوفیانہ کلام یا مضامین میں اخلاقی اور مذہبی خیالات پیش کیے جاتے ہیں جس کے موضوعات قناعت، توکل، رواداری، ترک دنیا، ریاضت کے ذریعے دوروں بینی اور مطالعۂ نفس وغیرہ ہیں۔ تصوف کے ذریعے معرفت اور عرفان کے درجے تک رسائی کی کوشش ہوتی ہے۔ تصوف میں عشقِ مجازی کے ذریعے عشقِ حقیقی کی تلاش و جستجو کی جاتی ہے۔ تصوفانہ اظہار کے لیے دو نمایاں پیرائے معروف ہیں۔ ایک صوفیانہ اور دوسرا متصوفانہ۔ صوفیانہ پیرایۂ بیان میں عشق حقیقی سے براہِ راست مخاطب ہونے کا واضح اشارہ ملتا ہے جبکہ متصوفانہ پیرایۂ بیان میں عشق مجازی کا وسیلہ نمایاں ہوتا

ہے۔اس میں دو پیرایۂ بیان ہوتے ہیں جو کہ تصوف کے دو مختلف نظریے ہیں۔ایک وحدت الوجود اور دوسرا وحدت الشہود۔اول الذکر میں وجود کا ہونا تصور کیا جاتا ہے یعنی ہر شے میں عشق حقیقی کا پرتو تلاش کیا جاتا ہے جو کہ ہندوستانی تصوف کا خاص وصف ہے اور آخر الذکر میں صرف شہادت کافی ہوتی ہے۔جیسے کہ اسلامی نظریہ۔لیکن ہمارے شعرا نے متصوفانہ شاعری میں وحدت الوجود کی آڑ لے کر عشق مجازی کو اس قدر بے نقاب کیا ہے کہ وجدان و عرفان کی جگہ جنون نے لے لی ہے۔اردو کی متصوفانہ شاعری میں خواجہ میر درد اور اصغر گونڈوی کو اولیت حاصل ہے۔کوثر نے بھی اس میدان میں طبع آزمائی کی ہے۔ان کا رنگِ تصوف ملاحظہ ہو:

ترا نشاں ترے جلوے بتاتے ہیں ورنہ نگاہ کیا ہے پر و بالِ جستجو کے سوا
ذرے ذرے میں جلوہ ریز ہو تم کہہ دوں کیوں کر کہ دہر فانی ہے
حرم و دیر سے نا کام آئے کوچۂ دل میں ترا گھر نکلا

عشقیہ کلام:

اردو شاعری کی ابتدا تصوف سے ضرور ہوئی لیکن اس کا خمیر عشق سے ہی تیار ہوا ہے۔وہ عشق حقیقی ہو یا عشق مجازی۔عشقیہ عناصر کے بیان کے لیے غزل سب سے زیادہ مقبول صنف ہے۔قدما سے تا حال ہمارے شعرا کے دواوین،کلیات اور شعری مجموعے عشقیہ کلام سے پر ہیں۔عشقیہ شاعری کے تین کردار عاشق،محبوب اور رقیب ہیں۔جن کی مثال کسی ثبوت یا دلیل کی محتاج نہیں ہے۔لیکن کوثر کے دونوں مجموعوں میں رقیب کی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔یہ کوثر کا خاص موضوع ہے ان کی شاعری پر عشقیہ کلام کا اثر زیادہ ہے۔وہ اپنے عشقیہ جذبات کے اظہار کے لیے مصوری،جذبات نگاری،منظر نگاری،پیکر تراشی اور علامت نگاری سے کام لیتے ہیں وہ کبھی خود کلامی کے انداز میں اور کبھی محبوب سے براہِ راست گفتگو کا انداز اپناتے ہیں۔ان کے عشقیہ کلام کو پیرایۂ بیان کے لحاظ سے ضمنی عنوانات میں تقسیم کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

مصوری:

کوثر الفاظ کے ذریعے مصوری بھی کرتے ہیں۔ذیل کے اشعار میں انھوں نے حسنِ مصوری کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے:

اداسی حسن کی دیکھی ہے میں نے نیا عالم ہے وہ رعنائیوں کا
زینتِ تصور تھی یوں کسی کی انگڑائی رات کے اندھیرے میں جیسے برق لہرائی

منظر نگاری:

اردو شاعری میں مرثیہ اور مثنوی کی صنف کے ذریعہ منظر نگاری کو عروج حاصل ہوا۔فطرت کے حسین مناظر،پہاڑ،جھرنے،وادیِ کہسار،دریا،جنگل،صبح و شام،ہریالی،چمن،صحرا،ادائے حسن،بازار،گلی و کوچہ غرض کہ کائنات اور اس سے باہر جہاں تک انسان کی نظر اور اس کے تصور کی رسائی ہے،ان سبھی مناظر کا عکس شعرا نے الفاظ کے ذریعہ قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔اردو شاعری میں ایسی مثالیں بھری پڑی ہیں۔غزل کے اشعار میں بھی منظر نگاری کی مثالیں ملتی ہیں اور کوثر نے بھی اس سے کام لیا ہے:

چاروں طرف دھواں دھواں صحنِ چمن میں سرخیاں کیسے عجیب رنگ تھے اب کے برس بہار میں
تنہا ہمیں مستی میں سخن سنج نہیں تھے کچھ رات ستاروں نے بھی ارشاد کیا ہے

پیکر تراشی:

اسے بت تراشی بھی کہتے ہیں اردو شاعری میں بشیر بدر کو اس فن پر ملکہ حاصل ہے۔پیکر سے مراد صرف مجسمہ یا شے کا کوئی ایک حصہ بھی ہوتا ہے۔شاعر کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک حصے کو اس انداز سے الفاظ کا قالب عطا کر دے کہ پورا پیکر تصور میں اجاگر ہو جائے۔مثال کے لیے کوثر کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں:

زلفوں کو رخ پہ دیکھ رہا ہوں عتاب میں ہوں محو سیر عالمِ برق و سحاب میں
جو سن سکے سنے ترا افسانۂ جمال اہلِ نظر تو شوخیِ عنوان میں کھو گئے
مسکرا کر کبھی جو وہ چپ ہو دیکھیے دیدہ ہائے نم اس کے

علامت نگاری:

وہ جذبات جو شاعر واضح طور پر بیان نہیں کرنا چاہتا اس کے لیے علامتی بیان سے کام لیتا ہے۔غزل میں علامت کا زیادہ دخل ہے۔علامت نگاری غزل کا خاص وصف ہے،اسے تقریباً تمام شعرا نے برتا ہے۔علامتی طرزِ بیان کوثر کے یہاں بھی ہے اور وہ اسے اپنے اسلوب کے مطابق پیش کرنے میں کامیاب بھی ہیں۔نمونہ دیکھیں:

یہ کرشمہ تری آمد کا پتہ دیتا ہے　　یک بہ یک درد کا اٹھنا کبھی کم ہو جانا
آمد کبھی ہوتی ہے جب فصلِ محبت کی　　آثار بتاتی ہے آنکھوں کی تری پہلے

جذبات نگاری:

جذبہ انسانی ہستی کا محرک ہے۔تخئیل کو اسی سے مہمیز ہوتی ہے۔عقل انسان کو فکر کے جس زاویے پر اشارہ کرتی ہے جذبہ اسے حرکت اور عمل میں لانے کا کام انجام دیتا ہے۔بغیر جذبے کے کوئی عمل حسن وخوبی سے پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔شاعری میں کلام کو موثر طور سے پیش کرنے اور داخلی کیفیت کی عکاسی کے لیے جذبہ اہم رول ادا کرتا ہے۔جذبات نگاری کو داخلی کیفیت کی عکاسی بھی کہا جاتا ہے۔کوثر نے اپنے عشقیہ خیالات کے اظہار کے لیے کچھ موقعوں پر واضح طور سے جذبات نگاری سے کام لیا ہے۔جس میں صاف طور سے جذبات کی شدت محسوس ہوتی ہے:

نغمۂ دل وقفِ صد آزار ہے تیرے بغیر　　عاشقی کا ساز بھی بیکار ہے تیرے بغیر
آؤ مری نظر کو منزل بنا بھی جاؤ　　گھبرا چلی محبت امید کے سفر سے

فکریہ کلام:

یوں تو ہر تخلیق فکر کے ذریعے ہی وجود میں آتی ہے۔تخیل یا تخئیل کا محرک فکر ہی ہے لیکن شاعری کی اصطلاح میں فکریہ شاعری اسے کہتے ہیں جو جذبات واحساسات کی عکاسی کے بجائے کائنات اور کائنات سے ماورا کسی بھی شے، وجود، غیر مادی وجود اور افراد پر ازسرِ نو غور وخوض کرنے کی دعوت دے۔فکریہ شاعری میں وارداتِ قلبی سے حاصل ہونے والی لطف اندوزی کے بجائے عقلی کاوش کے ذریعے حقائق کو پرکھنے کی کوشش ملتی ہے۔فلسفے کے نکات کو واضح اور نمایاں کرنے کے لیے عقل کو فکر کے پروں کی ضرورت ہوتی ہے۔فکریہ کلام کے ذریعے، شاعر کسی مسئلے کا حل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔غرض یہ کہ فکریہ کلام سے مراد ایسا کلام ہے جس سے فرد کو دعوتِ غور وخوض ملے۔کوثر کے یہاں ایسے اشعار بھی ہیں جو ہمیں گہری فکر کی دعوت دیتے ہیں:

غم سے ملتی ہے آبروئے گہر　　اشک کیا ایک بوند پانی ہے
یہ میری روشنیِ فکر یہ کمالِ نگاہ　　فروغِ بادۂ غم کے سوا کچھ اور نہیں
جس کو عرفانِ حق کا دعویٰ ہے　　دشتِ حیرت میں ہیں قدم اس کے

ناقدانہ کلام:

کوثر نے کہیں کہیں ناقدانہ روش بھی اپنائی ہے اور اس طرز میں وہ حالی کی تقلید کرتے نظر آتے ہیں مگر انداز بیان کوثر کا اپنا ہے:

مزاجِ شعر پہ کس رخ سے بحث ہو کوثر　　کوئی بھی زاویۂ معتبر نکل نہ سکا
لفظ خود پردۂ معنی ہے حقیقت یہ ہے　　حرف فرسودۂ چشمِ نگراں کچھ بھی نہیں
منفرد ہونے کو الجھاؤ ہے درکارِ سخن　　کوثر اس دور میں تنظیمِ بیاں کچھ بھی نہیں

خودکلامی:

کہیں کہیں ایسا بھی لگتا ہے کہ کوثر خود سے ہم کلام ہیں۔

ہوائے بے خبری کی عجب سحر ہے کوثر　　مجھے بھول گئے ہیں مرے دشمنِ جاں تک
تم ضبط کی کوشش تو کرتے ہو مگر کوثر　　آثارِ محبت ہیں یہ مستی و سرشاری

براہِ راست گفتگو کا انداز:

کوثر کی پوری شاعری میں بالواسطہ اندازِ بیان ملتا ہے مگر کہیں کہیں وہ براہِ راست بھی گفتگو کرتے نظر آتے ہیں:

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ یوں خونِ وفا ہوتا　　کرم عادت نہیں میری یہ پہلے کہہ دیا ہوتا
ہزار شکر خدا نے مجھے دیا ہی نہیں　　وہ دل جسے ترے وعدوں پہ اعتبار نہ ہو

رومانیت:

بیسویں صدی میں رومانیت کے زیرِ اثر بہت سے شعرا نے طبع آزمائی کی ہے۔کوثر بھی انھیں میں سے ہیں ان کی عشقیہ شاعری میں رومانیت کی آمیزش بدرجۂ اتم موجود ہے:

کسے نصیب ہیں محرومیاں محبت کی　　نظر وہ کیا جسے توفیقِ انتظار نہ ہو
یوں تو سنتے تھے محبت کی کہانی لیکن　　واقعہ درد بنا دل پہ گزر جانے سے

ندرتِ خیال:

کلام میں ندرت اور جدت ہو تو سامع اور قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ ایسے ہی اشعار شاعر کو زندۂ جاوید رکھتے ہیں۔ کوثر کے اسلوب میں ندرتِ خیال کا بڑا دخل ہے:

زیورِ عروسِ فکر کو گلشن سے لے چلیں کوثر نظر سے گوہرِ شبنم اٹھایئے
پنہاں ہر ایک پردے میں دامِ جمال تھا اٹھی جدھر نگاہ گرفتار ہو گئی

پیغامِ عمل:

کوثر کے کلام میں چنداں انقلابی اشعار کی جھلک بھی ملتی ہے جو ہمیں فکر و عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے کلام میں جوش اور جذبے کی فراوانی ہے۔ مثال دیکھیں:

ائے غیرتِ اسیری توڑ اس قفس کو اڑ چل مانگی ہوئی رہائی توہینِ بال و پر ہے
کرتے ہیں وہی لوگ جہاں تازہ تر آباد ہر دور میں رکھتے ہیں جو سینہ شرر آباد

بلند آہنگ الفاظ کا استعمال:

کوثر کے اشعار لطافت اور نرمی سے پر ہیں۔ انھوں نے کرخت اور گرج دار لہجہ نہیں اپنایا ہے اس کے برعکس بلند آہنگ الفاظ کی گونج کہیں کہیں پر سنائی دیتی ہے:

مری غیرت سے اے ٹکرانے والے یہ انگارہ بہت دہکا ہوا ہے
میری غیرت سے تصادم گردشِ تقدیر کا پے بہ پے ٹکراؤ ہے شمشیر سے شمشیر کا

شاعرانہ تعلّی:

تعلّی تقریباً ہر شاعر کے یہاں ملتی ہے۔ کوثر کے یہاں تعلّی کا نمونہ دیکھیں:

اگر ہماری غزل کا ہو تجزیہ کوثر
تو کیا صحیفۂ فطرت کا اقتباس نہیں

علامہ کوثر جائسی ایک دردمند اور پرخلوص دل رکھتے تھے۔ ان کے کلام میں شوخی و ظرافت اور حسنِ لطافت کے ساتھ ساتھ سوز و گداز بھی ہے۔ وہ ایک نشاط آفریں دماغ کے مالک تھے۔ ان کا دل نشاطِ حیات

سے معمور تھا۔ کوثر فطرتاً شگفتہ مزاج اور رنگین طبع واقع ہوئے ہیں۔ ان کے کلام میں جوشِ محبت اور ولولۂ محبت کے آثار نمایاں ہیں۔ ان کے یہاں فریاد و ماتم، آہ و بکا، گریہ وزاری، یاس و حسرت، پست اور بزدلانہ جذبات معدوم ہیں۔ کوثر کے اندازِ بیان میں ندرت اور لطافت ہے۔ ان کا کلام شاعرانہ رنگینی اور نزاکت سے پر ہے۔ ان کے اسلوبِ نگارش میں رعنائی دلکشی، صفائی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ کوثر کے یہاں سوز و گداز آہ و بکا کا نہیں بلکہ ایک لطیف دردمندانہ کیفیت کا نام ہے۔ وہ ایک درد آشنا دل رکھتے تھے۔ ان کا ہر لفظ تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ کوثر کے سوز و گداز میں صرف درد ہی نہیں ذوقِ محبت کی رنگینیاں بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام کو شور و فغاں سے پاک رکھا ہے اور تغزل کو فریاد و ماتم کی فضاؤں کے بجائے نشاطِ درد کی رنگینیوں سے معمور کیا ہے۔ ان کا کلام گدازِ عشق کی لطیف کیفیت سے لبریز ہے۔ ان کی قوتِ فکر، حسن و عشق کی داخلی کیفیت کی اداشناس ہے۔ اسی لیے وہ افکار کی مرقع نگاری کے دلدادہ نظر آتے ہیں۔ کوثر عشق و محبت کے ان اسرار و رموز سے واقف ہیں جو درحقیقت صحیفۂ شاعری کے ابدی نقوش ہیں۔

جذبہ و احساس کی مکمل ترجمانی، حسنِ صوری کی تمام اداؤں اور نغمۂ عشق و محبت کی تمام کیفیات کے اظہار کے لیے بعض اوقات مناسب الفاظ نہیں ملتے۔ اسی لیے تخلیق کار بہت کچھ کہہ کر بھی تشنگی محسوس کرتا ہے۔ خود کوثر نے بھی اپنے ناتمام اظہارِ خیال پر اس طرح اظہار کیا ہے:

لکھی ہے جو قسمت کی طرح لوحِ غزل پر
اتنی ہی غمِ دل کی حقیقت تو نہیں ہے
(یہ شعر بھی کمیں گاہِ خیال سے نقل کیا گیا ہے)

خامیاں:

مکتوب کے باب میں کوثر کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ کوثر علمِ فصاحت و بلاغت اور علمِ بیان پر دستگاہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود ان کے کلام سے چند خامیاں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ ان کی لاپرواہی ہو سکتی ہے جیسا کہ ہر شاعر کے یہاں ہوتا ہے۔ یعنی کچھ کلام صرف خانہ پری کے لیے ہوتے ہیں اور ایک بار ان کا نزول ہو گیا تو پھر اس پر توجہ نہیں دی جاتی۔ جیسے تعقیدِ لفظی اور تعقیدِ معنوی کا عیب ہے۔ شعر کا یہی وہ خام پہلو ہے جس

سے قاری کی یکسانیت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ ایسے اشعار کو اہلِ ادب کی اصطلاح میں بھرتی کے شعر کہتے ہیں۔ کوثر بھی لاپرواہی کی وجہ سے اس خامی سے بری نہیں ہیں اور کہیں کہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی طبیعت پر جبر کرنے کے ساتھ ساتھ نوکِ خامہ پر بھی جبر کر رہے ہیں۔ مثال دیکھیں:

تعقیدِ لفظی:

ہمارے راستے میں عجب دریا پڑا ہے — بھنور جس میں ہے کشتی تلاطم نا خدا ہے
ہیں شورِ حق سے بھرے میرے کان پہلے ہی — سنی ہے گود میں ماں کی اذان پہلے ہی

تعقیدِ معنوی کی بھی چند مثالیں دیکھیں:

نہ راس آئے گا یارو! حسیں جھوٹ کا سایہ — کہ پتھراؤ کا امکاں ہے شیشے کے مکاں تک
جنگل جنگل ہے فصل غم کی — زنجیرِ جنوں کھنک رہی ہے
اب انساں ہر اک انساں کو انسان لگا کہنے — ہوا ہوتا کاش اس کو یہ عرفان پہلے ہی

انیسوی صدی کے اختتام تک اردو شاعری میں شتر گربہ کا چلن عام تھا لیکن داغ دہلوی نے اسے غیر فصیح کہہ کر ترک کر دیا۔ مندرجہ ذیل شعر ذو بحرین میں ہے۔ مصرعہ اولیٰ میں دیکھیں ''تو'' اور ''سمجھو'' استعمال ہوا ہے جب کہ ''تو'' کی مناسبت سے ''سمجھ'' آنا چاہیے تھا:

کوثر تو پڑھ کے ذرا تحریرِ وقت سمجھو
افسانے سو ہے لیے یہ گردِ رہ گزری

بعض علما نے اضافت کی زیادتی یعنی توالیِ اضافت کو شعر کا عیب مانا ہے اور ایک مصرعے میں صرف دو اضافت استعمال کرنے کی اجازت دی ہے مگر کوثر کے ذیل میں دیے ہوئے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں چار اضافت ہیں:

مقامِ عبرتِ اہلِ نظر ہے خلوتِ دل
اک آرزو بھی نہیں داغِ آرزو کے سوا

اگر شعر کے دونوں مصرعے بہ اعتبار ترکیبِ نحوی صحیح ہیں مگر انتخاب الفاظ اور شگفتگیِ ترکیب کی بنا پر

دونوں میں بعد المشرقین ہے تو وہ شعر خام ہے اسے شعر کی تعریف میں شامل نہیں کر سکتے ہیں کیوں کہ ایسے شعر مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہیں۔ جن شعرا نے الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترکیب میں موسیقی اور ذوق صحیح کا لحاظ رکھا وہ بلند مقام کے مستحق ہوئے ہیں۔ مذکورہ بالا خامیاں گنانے سے کوثر کی علمی و ادبی شخصیت اور ان کی شاعرانہ عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ خامیوں سے کوئی شاعر بری نہیں ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ شاعر کا تمام کلام اچھا ہو۔ شعر وہ عمدہ ہوتا ہے جو سامع یا قاری کے دل میں اتر جائے اور اس کے جذبات کو چھو جائے۔ ناسخ نے کیا خوب کہا ہے:

نہیں ممکن کہ کلکِ فکر لکھے شعر سب اچھے
برستا ہے بہت نیساں گہر ہوتے ہیں کم پیدا

باوجود اس کے کوثر کی شاعرانہ عظمت اپنی جگہ مسلم ہے۔ بیسویں صدی کی ہزاروں آوازوں میں سے چند ایسی بھی ہیں جو اپنے اسلوب، دل آویز پیرایۂ بیان، ندرتِ خیال، جدت طرازی اور حسنِ ادا کی وجہ سے الگ شناخت رکھتی ہیں، کوثر بھی انھیں میں سے ایک ہیں۔ جو اپنے اسلوب کی وجہ سے ہمیشہ جانے جائیں گے۔ میں کوثر کے اس شعر کے ساتھ اپنی بات تمام کرتی ہوں جو انھوں نے اپنے اسلوب کے تعلق سے کہا ہے:

نہ جانے کس آئینے میں جا کر تمام اس کا سفر ہو کوثر
غزل کے اسلوب سے نمایاں ہماری تصویر ہو رہی ہے

قاضی گل مینا کمال احمد
روم نمبر ۴/ یادو نگر خیرانی روڈ، ساکی ناکہ ممبئی ۴۰۰۰۷۲

لکھی ہے جو قسمت کی طرح لوحِ غزل پر
اتنی ہی غمِ دل کی حقیقت تو نہیں ہے

کوثر جائسی کی یہ تصویر ۱۹۶۴ء کی ہے

یہ غزل ریڈیو لکھنؤ سے ۹/جون ۱۹۸۷ء میں نشر ہوئی

یہ غزل ''ماہنامہ کاوش کانپور'' کو، بتاریخ ۷/جون ۱۹۸۲ء میں اشاعت کے لیے بھیجی گئی تھی

حمد

(نور وارض وسما)

اے خالق کل نور ہے تو ارض و سما میں
تیرے ہی اشارے ہیں عناصر کی بقا میں

آئینہ ترا سلسلۂ شام و سحر ہے
تا بندہ تجھی سے رخِ خورشید و قمر ہے

آفاق میں ہیں گرمِ سفر تجھ سے ہوائیں
لے کر ترا نام اٹھتی ہیں گھنگھور گھٹائیں

جو لمحہ زمانے کا ہے پیغام ہے تیرا
مشرق ہو کہ مغرب ہو کرم عام ہے تیرا

ہر سمت تری جلوہ گری ہوش ربا ہے
تیرے ہی لیے شش جہت آئینہ نما ہے

ہیبت نے تری رعشہ پہاڑوں کو دیا ہے
ہر وقت سمندر کا جگر کانپ رہا ہے

تو چاہے تو اک ذرے کو مہتاب بنا دے
انساں کو وہ عزت دے سرِ عرش بٹھا دے

بے علم بھی محتاج ہیں تیرے علماء بھی
چوکھٹ پہ تری سجدے میں ہیں ارض وسما بھی

مخلوق تری تجھ سے دعا مانگ رہی ہے
جینے کے لیے پاک فضا مانگ رہی ہے

توفیقِ عمل دے انھیں بیگانۂ غم کر
نادان ہیں بندے ترے تو ان پہ کرم کر

گم بحرِ تفکر میں ہیں ساحل کا پتہ دے
اے رحمتِ باری ہمیں منزل سے صدا دے

نعت

اللہ رے ظہورِ حسنِ نبیؐ اللہ رے نظامِ جلوہ گری
روشن روشن مکے کی زمیں طیبہ کی فضا تاروں سے بھری

وہ دستِ ازل کے سنوا رے ہیں اندازِ جہاں سے نیارے ہیں
ہوتی ہے خجل ان کے آگے مہتاب رخی زرّیں کمری

کیا شرح جمالِ مصطفویؐ لائے کوئی حدِ تکلم بھی
حیراں حیراں لرزاں لرزاں اس منزل میں ہے دیدہ وری

مومن کا جذبِ دروں کوثر کرتا ہے نئے عالم پیدا
ابھرے ہیں اذانِ بلالی سے آفاق میں انوارِ سحری

نعت

بتاریخ:۶؍نومبر ۱۹۸۸ء

شکر ہے شکر کہ کعبے کی ضیاء دیکھ آئے کیا
کہیں ہم جو وہاں شان خدا دیکھ آئے

کیسے کیسے ہیں سرِ خاک کرم کے آثار
اس کی تخلیق کے انداز و ادا دیکھ آئے

حرمِ پاک سے تا روضۂ سرکار گئے
نور ہی نور وہ رحمت کی فضا دیکھ آئے

زائروں کا تھا فقط ایک ہی مرکز پہ ہجوم
جذبِ توحید نے کیا کام کیا دیکھ آئے

کیا مقامات مقدّس ہیں وہ اللہ اللہ
ہر جگہ بارشِ الطاف و عطا دیکھ آئے

نور کے پھول جہاں کھلتے ہیں لمحہ لمحہ
اس گلستاں میں گئے رقصِ صبا دیکھ آئے

نعت

خیالِ حسنِ مصطفےٰ جو نعت میں ابھر گیا
کلام جگمگا اٹھا بیاں سنور سنور گیا

پیامِ امن لے کہ جب مرے حضور آ گئے
تمام غم زدہ جہاں مسرتوں سے بھر گیا

بہشت کے حدود میں چلی تھی لے کے جستجو
مدینے کی گلی ملی تو میں وہیں ٹھہر گیا

نبیؐ کی یاد جس کے دل میں بس گئی تو بس گئی
نشہ یہ وہ نشہ نہیں جو گھٹ گیا اتر گیا

اسی کو دیکھتے رہو جو چاہتے ہو عافیت
یہ امتحانِ عشق ہے نظر ہٹی تو سر گیا

خرد کا رہنما تو صرف چاند تک پہونچ سکا
مرا نبیؐ وہ رہنما جو بامِ عرش پر گیا

سوائے مصطفےٰ بتاؤ کون ہے جہان میں
جو پھول پیار کے لیے ستم‌گروں کے گھر گیا

صراطِ حق پہ گام زن ہو کون یہ بتائیے
وہ راہرو نہیں رہے وہ کارواں گزر گیا

غرورِ زہد ہر طرف ملے گا کوثر آج کل
خلوص جب نہیں رہا دعاؤں سے اثر گیا

نعت

وہ جلوہ گہہِ محبوبِ خدا سبحان اللہ سبحان اللہ
ہے نور ہی نور جہاں کی فضا سبحان اللہ سبحان اللہ

جنبش سے لبوں کی پیدا ہے بخشیدۂ قدرت وہ لہجہ
حیراں حیراں ہیں سب فصحا سبحان اللہ سبحان اللہ

تصدیقِ رسالت کی خاطر کیا شان عطا کی قدرت نے
کنکریاں پڑھتی ہیں کلمہ سبحان اللہ سبحان اللہ

جب گنبدِ خضرا سے لائی پیغام کرم کا بادِ صبا
احساسِ خلش بھی جھوم اٹھا سبحان اللہ سبحان اللہ

نعت

بتاریخ:۲۹/اگست ۱۹۹۳ء

بہت تم پہ نازاں ہیں سرکار ہم
تمھیں ہو تمھیں تاج دارِ حرم

تمھارے ثنا خواں ہیں سارے نبی
بڑی شان والے ہو شاہ امم

جو معراج کی شب گئے عرش پر
ستاروں نے چومے تمھارے قدم

کوئی تم سا پیارا نہیں دوسرا
خدا نے بھی کھائی تمھاری قسم

جو تم چاہو اللہ چاہے وہی
تمھاری ہی خاطر ہے لوح قلم

مسلماں کے ایمان ہو جان ہو
تمھارے لیے سر کٹا دیں گے ہم

منقبت

بتاریخ:۲۳/اکتوبر۱۹۹۸ء

رفیقِ راہ محبوبِ خدا صدیقِ اکبر ہیں
یگانہ جاں‌نثار و باوفا صدیقِ اکبر ہیں

حدیثوں میں عیاں ہے شان ان کی اولیت کی
مکرم سب سے بعدِانبیا صدیقِ اکبر ہیں

امامت بھی خلافت بھی ہیں دونوں ان سے وابستہ
رسالت حسنِ‌حق ہے آشنا صدیقِ اکبر ہیں

رہے ہیں غم گسارِ اہلِ بیت اپنے زمانے میں
بہی خواہِ علیِ مرتضٰی صدیقِ اکبر ہیں

عمر مداح ان کے اور عثمان ان کے شیدائی
سراپا جلوۂ جید رضا صدیقِ اکبر ہیں

فرشتوں نے بھی کمبل اوڑھا طرزِ خاص میں ان کے
ملک ہیں مقتدی اور مقتدا صدیقِ اکبر ہیں

مثالِ ماہ روشن ہیں وہ محرابِ صداقت میں
بتاؤں کیا کہاں جلوہ نما صدیقِ اکبر ہیں

گذر کر اس جہاں سے بھی رہے وہ باوفا کوثر
کہ خوابیدہ بہ‌قربِ مصطفٰے صدیقِ اکبر ہیں

غزل

بتاریخ: ۷؍جون ۱۹۸۲ء برائے ماہنامہ ''کاوش'' کانپور سے شائع ہوئی۔

آج ان لبوں پہ یوں ہے تکلم تھکا تھکا
جیسے ہو چاندنی کا تبسم تھکا تھکا

کشتی یہ کس کی بیچ کے بھنور سے نکل گئی
دریا خفا خفا ہے تلاطم تھکا تھکا

دشتِ وفا عجیب طلسمِ حیات ہے
ہر راہرو سراب میں ہے گم تھکا تھکا

سوزِ نفس سے میرے تصادم ہوا ہے کیا
کیوں شب کو ہے یہ جلوۂ انجم تھکا تھکا

آساں نہ تھا نباہ مرے سازِ غم کے ساتھ
موجِ نسیم کا ہے ترنم تھکا تھکا

کوثر سخن طراز ہے اک عمر سے مگر
پاؤ گے آج بھی نہ اسے تم تھکا تھکا

غزل

(بتاریخ: ۳۰؍نومبر ۱۹۸۲ء، برائے لکھنؤ سے شائع ہوئی)

کیسے ہیں جنھیں دید پہ اصرار بہت ہے
مجھ کو تو تری حسرتِ دیدار بہت ہے

جینا حدِ تہذیب میں دشوار بہت ہے
بدنام بہت وہ ہے جو خوددار بہت ہے

دکھ دینے کو ہر پھول میں اک خار بہت ہے
یہ موسمِ ایجاد دل آزار بہت ہے

کیوں شہر میں شورِ رسن و دار بہت ہے
مجھ کو بھی دکھاؤ جو گنہگار بہت ہے

بے نور ہے دل تذکرۂ یار بہت ہے
یوسف تو نہیں گرمیِ بازار بہت ہے

ظاہر ہے کہ یہ ظالم و عیار بہت ہے
پھر بھی اسی دنیا سے ہمیں پیار بہت ہے

اک شکل کو سو شکلوں میں کرتا ہے نمایاں
آئینہ میرے دل کا ادا کار بہت ہے

دنیا کو نہ لوٹ اے غمِ دوراں اسے لے جا
مجھ کو مرا سرمایۂ اشعار بہت ہے

ہم معرکۂ وقت میں گھبرا نہیں سکتے
باکار ابھی احساس کی تلوار بہت ہے

مرنے کو جو کہتے ہیں تو خود مرتے ہیں کتنے
آسان سی یہ بات بھی دشوار بہت ہے

سائے میں امیدوں کے قدم رکھئے سنبھل کر
خوابوں کا یہ سنسار پراسرار بہت ہے

تخلیق کے اس دورِ پر آشوب میں کوثرؔ
تم ہو سخن ایجاد یہ ایثار بہت ہے

غزل

بتاریخ:۲۴رستمبر۱۹۸۳ء، آل انڈیا ریڈیو، لکھنؤ سے نشر ہوئی۔

کسی کی یاد کا پھیرا ہوا ہے
دریچہ ذہن کا مہکا ہوا ہے

بنامِ ذات گو بکھرا ہوا ہے
مگر لہجہ مرا سلجھا ہوا ہے

سنا ہے دور ابھی جنت سے انساں
مسافر راستہ بھولا ہوا ہے

مقدر میں نہاں آتش کدے ہیں
مزاجِ زندگی بدلا ہوا ہے

گئے ہیں وہ تو شہرِ آرزو میں
نہ پوچھو کیسا سناٹا ہوا ہے

مری غیرت سے اے ٹکرانے والے
یہ انگارہ بہت دہکا ہوا ہے

میں اچھا دوست اپنا خود نہیں ہوں
بڑی مدت میں اندازا ہوا ہے

بدلتا وقت ہے چالاک طائر
ترا دامِ خرد ٹوٹا ہوا ہے

اک ایسا دور بھی آیا ہے کوثرؔ
خوشی پر رنج کا دھوکا ہوا ہے

غزل

نوٹ: بزم فکروفن، ص۔٧٦، تاریخ ۲ فروری ۱۹۸۴ء میں شائع ہوچکی ہے

کسی کی زلفوں کی یاد میں کچھ نمودِ تنویر ہو رہی ہے
اسی دھندلکے میں جلوہ گاہِ خیال تعمیر ہو رہی ہے

ہماری دیوانگی ہے عنواں اسی پہ تقریر ہو رہی ہے
خطا ہے گویا وفا پرستی خطا کی تشہیر ہو رہی ہے

ہمیں ہے قابوغمِ دروں پر جو چپ ہیں لیکن ستم گروں میں
ہماری تہذیب کی کرامت ،سکوں سے تعبیر ہو رہی ہے

ہے اک تصور طلسمِ غم سے نکلنے دیتا نہیں جو مجھ کو
حواس زنداں بنے ہوئے ہیں امید زنجیر ہو رہی ہے

ہمیں حسینوں نے دکھ دیئے ہیں تو ان کا مذہب یہی تھا لیکن
ہمارے سنجیدہ دوستوں کی نگاہ کیوں تیر ہو رہی ہے

نہ جانے کس آئینے میں جا کر تمام اس کا سفر ہو کوثرؔ
غزل کے اسلوب سے نمایاں ہماری تصویر ہو رہی ہے

غزل

بتاریخ:۱۲/مارچ ۱۹۸۴ء

دورِ خرد میں غمِ حیات وہی ہے
دل وہی زندانِ کائنات وہی ہے

حرف نئے تو ابھار دل کے ورق پر
تازگیِ برگِ واردات وہی ہے

عشق نے سو در یقیں کے وا کیے لیکن
زہد کو اندیشۂ نجات وہی ہے

جس کو چھپایا ہزار طرح غزل میں
اس کی جبیں کی شکن میں بات وہی ہے

مطلع رازِ حیات لو نہیں دیتا
ظلمتِ بحثِ صفات و ذات وہی ہے

اس کی نظر کے ہزار لطف پہ کوثر
عشق کا احساسِ مشکلات وہی ہے

غزل

بتاریخ:۲/ستمبر ۱۹۸۴ء

سنو تو ذرا یہ آخرِ شب نفیرِ دعا عجیب سی ہے
زمان و مکان پہ چھائی ہوئی جنوں کی نوا عجیب سی ہے

نظام نیا شعور نیا مثالِ عطا عجیب سی ہے
سوال پہ ہاتھ کاٹتے ہیں طلب کی سزا عجیب سی ہے

مژہ پہ دیئے دمکتے ہوئے غموں کے خُتن مہکتے ہوئے
غزالۂ شب ہے رقصِ کناں غزل کی فضا عجیب سی ہے

جگر پہ ہر اک سنانِ نظر جو سہتے ہوئے گزر گئے ہم
جواب میں اب حریفوں کی شکستِ انا عجیب سی ہے

اٹھائیں سوال نفع و ضرر تو جلنے لگیں جواب کے پر
جو آنسو بوئیں کاٹیں شرر زمینِ وفا عجیب سی ہے

بہ پاسِ بہار اشک پیئے جو درد بڑھا تو شعر کہے
بتائیں کسے ہماری تباہیوں کی ادا عجیب سی ہے

اتر گئے چہرے گردشوں کے لرز گئی جان فاصلوں کی
شکستہ دلوں کے قافلے میں فغانِ درا عجیب سی ہے

زمانے کی سردوگرم سے کب ملی ہے اماں مجھے کوثر
وجود نفس کو بخشی ہوئی کرم کی قبا عجیب سی ہے

غزل

بتاریخ: ۱۹۸۴ء

عجیب منزلِ دردِ بشر ہے کیا کہیئے
اسی نواح میں میرا سفر ہے کیا کہیئے

کمندِ شوق ہر اک خواب پر ہے کیا کہیئے
یہ دردِ سر ہے کہ دردِ جگر ہے کیا کہیئے

درونِ سینہ سے بیگانہ نغمۂ افکار
تمام شورشِ زنجیرِ در ہے کیا کہیئے

جو خود کو ذرہ کہا ہم نے سب نے سچ جانا
ہمارا قول بہت معتبر ہے کیا کہیئے

ہم ایسے دشتِ طلب میں ہوئے ہیں گرمِ سفر
جہاں غبارِ تحیر خضر ہے کیا کہیئے

چھپا سکے گا نہ خود کو گناہِ تنہائی
ردائے ظلمتِ شب مختصر ہے کیا کہیئے

غزل

(ذوبحرین)

بتاریخ:۲۲؍جنوری ۱۹۸۵ء

شاید ہو راس مجھے موسم کی ہم سفری
آگاہِ راز کرے یہ کیف و کم نگری

دیتی ہے درسِ عمل ہمت کی جلوہ گری
رہبر ہے منزلوں میں کرنوں کی در بدری

بے فیض خونِ جگر کیا شاخِ فن ہو ہری
معنی کو چاٹ گئی شاعر کی بے ہنری

کچھ رنگوں تک ہی نہ تھا وہ فیض دورِ بہار
شبنم کے موتیوں سے غم کی بھی مانگ بھری

ہر ذرہ ہے دل و جاں اربابِ حوصلہ کو
گل ہی سے پیار کریں یہ بھی ہے کم نظری

زخموں کے آئینے ہوں یا لوحِ زردِ قمر
مقتل سے تا بہ افق غم کی ہے نقش گری

باقیاتِ کوثرؔ

کوثرؔ تو پڑھ کے ذرا تحریرِ وقت سمجھو
افسانے سو ہے لیے یہ گردِ رہ گزری

۱۔ بحر بسیط مثمن مخبون
۲۔ بحر رجز مطوی مسکن........ مطوی

غزل

بتاریخ:۱۲/اکتوبر ۱۹۸۵ء

یہ تشہیرِ مصائب نہیں اشکِ رواں تک
گئی بات ہماری ستاروں کی زباں تک

میں اس بزم سے اٹھا تو ہلچل تھی یہاں تک
تعاقب میں تھا میرے چراغوں کا دھواں تک

ہر اک پھول چمن کا مصر ہے کہ نہ جاؤ
ٹھہرنا ہی پڑے گا مجھے عہدِ خزاں تک

میں کیا بچ کے نکلتا کمیں گاہ میں وہ تھے
جہاں جائے مفر تھی گئے تیر وہاں تک

جو تاویلِ معانی کی رفتار یہی ہے
بدل جائے گی اک دن صحائف کی زباں تک

مرے بعد کہاں یہ سماں محفلِ غم کا
یہاں رقصِ شرر ہے مجھی شعلہ بجاں تک

کبھی دے گی نہ دھوکا کرن حسنِ طلب کی
چلے جاؤ جنوں کا تقاضا ہو جہاں تک

نہ راس آئے گا یارو! حسیں جھوٹ کا سایہ
کہ پتھراؤ کا امکاں ہے شیشے کے مکاں تک

مرا رشتہ رہا اب مسرت سے نہ غم سے
امیدوں کے اٹھائے کوئی ناز کہاں تک

ہوائے بے خبری کی عجب سحر ہے کوثر
مجھے بھول گئے ہیں مرے دشمنِ جاں تک

غزل

(بتاریخ: ۹؍جون ۱۹۸۷ء، آل انڈیا لکھنؤ سے نشر ہوئی تھی)

نیا تسلسلِ شام و سحر نکل نہ سکا
مرے لیے کوئی وقتِ سفر نکل نہ سکا

فضا کی قید سے ذہنِ بشر نکل نہ سکا
فصیلِ وقت میں کوئی بھی در نکل نہ سکا

میں نورِ جاں لیے نکلا پئے خریداری
کسی دکاں میں سرورِ نظر نکل نہ سکا

اتر گیا میں تہہِ شبنمِ توجہ میں
وہاں بھی مرہمِ زخمِ جگر نکل نہ سکا

چبھو دیا تھا جو آوازِ طنزِ یاراں نے
وہ خار دل سے مرے عمر بھر نکل نہ سکا

حجابِ لفظ میں جھوٹا خلوص کیا چھپتا
مری گرفت سے نقصِ ہنر نکل نہ سکا

سکوت شب تھا وہ دہشت فزا کہ میرے لیے
دہانِ سنگ سے حرف شرر نکل نہ سکا

مرا جو قتل تھا آساں تو شہر حسن سے کیوں
مری صدا پہ کوئی فتنہ گر نکل نہ سکا

ہوا ہے یوں بھی کہ بارش تھی آنسوؤں کی جہاں
اسی زمیں سے کوئی شعرِ تر نکل نہ سکا

مزاجِ شعر پہ کس رخ سے بحث ہو کوثر
کوئی بھی زاویۂ معتبر نکل نہ سکا

غزل

(بتاریخ: ۲۷/نومبر ۱۹۹۵ء، آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ سے نشر ہوئی)

یہ جادو حسن کی انگڑائیوں کا
بھرم کھلنے لگا دانائیوں کا

غم آئے ہیں مبارکباد دینے
سماں دیکھو مری رسوائیوں کا

جو اس کی گفتگو کی تہہ میں اترے
تو اندازہ ہوا گہرائیوں کا

ہمیں خود ہوگئی پہچان اپنی
بڑا احسان ہے تنہائیوں کا

اداسی حسن کی دیکھی ہے میں نے
نیا عالم ہے وہ رعنائیوں کا

رواداری سے رشتہ ہے تو چپ ہوں
گماں ان کو نہ ہو پسپائیوں کا

غزل

(بتاریخ: ۲۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء، اخبار قومی آواز سے شائع ہوئی)

دل ہے خاموش تمنا کا نشاں کچھ بھی نہیں
اب بجز سلسلۂ اشک رواں کچھ بھی نہیں

کوئی ساتھی نہ ملا مقتلِ تنہائی میں
حاصلِ انجمنِ ہم نفساں کچھ بھی نہیں

مشغلہ فکرِ سخن کا ہے یہاں خواب آسا
نہ کوئی نفع کی صورت نہ زیاں کچھ بھی نہیں

کس خرابے میں اب آیا ہوں کہ سناٹا ہے
اس فضا میں بجز آوازِ سگاں کچھ بھی نہیں

حادثے دیتے ہیں خود ہی نئی راہوں کا پتا
عزم راسخ کے لیے کوہِ گراں کچھ بھی نہیں

ایک اک لفظ میں ہے منزلِ آخر کا نشاں
مرد بے ذوق کو آہنگِ اذاں کچھ بھی نہیں

کون سی منزلِ حیرت میں ہے پروازِ جنوں
اب زمیں ہے نہ یہاں بوئے زماں کچھ بھی نہیں

طبع آزاد کوئی کیا نہیں محصورِ انا
سچ ہے یہ چارۂ آزارِ گماں کچھ بھی نہیں

لفظ خود پردۂ معنی ہے حقیقت یہ ہے
حرف فرسودۂ چشمِ نگراں کچھ بھی نہیں

منفرد ہونے کو الجھاؤ ہے درکارِ سخن
کوثر اس دور میں تنظیمِ بیاں کچھ بھی نہیں

غزل

بتاریخ: ۷/مارچ ۲۰۰۰ء

عقل کافر ہوگئی یا دل مسلماں ہو گیا
جو بھی فتنہ حسن نے چاہا نمایاں ہو گیا

شامِ غم کی سرد سرد آہوں کا احساں ہوگیا
یوں ہوا سنکی چراغِ دل فروزاں ہو گیا

جس پہ سایہ پڑ گیا میری نگاہِ شوق کا
کوئی کانٹا ہو کہ ذرہ وہ گلستاں ہو گیا

منتظر انساں کا تھا پردوں میں حسنِ آب و گِل
یہ نمایاں کیا ہوا عالم نمایاں ہو گیا

فتنۂ دریا تھے سب،کیا قطرہ کیا موج و حباب
جو مری کشتی سے ٹکرایا وہ طوفان ہو گیا

غزل

کیوں گوارا نہ ہوں ستم اس کے
طور پہچانتے ہیں ہم اس کے

لطف کیا اور کیا ستم اس کے
سب تقاضے ہیں محترم اس کے

ایک لذت شناس غم کے سوا
کون سمجھے گا شہد و سم اس کے

آمرِ کن بھی شعبدہ گر ہے
کھیل ہیں ہستی و عدم اس کے

وقت ہر مرحلے میں قاضی ہے
فیصلے ہوتے ہیں اہم اس کے

دلِ بینا کو تم نہ کم سمجھو
سامنے لاؤ جامِ جم اس کے

جو خزاں کو کہے بہار اپنی
کون سمجھے گا درد و غم اس کے

کسی منزل میں عشق کو دیکھو
کہیں جھکتے نہیں علم اس کے

اس کے گیسوئے مصلحت سے ڈرو
ہم نے دیکھے ہیں پیچ و خم اس کے

مہر و مہہ بھی پسارے ہیں دامن
سب ہیں محتاج یک قلم اس کے

جس کو عرفانِ حق کا دعویٰ ہے
دشتِ حیرت میں ہیں قدم اس کے

ایسا انساں بھی تا فلک پہنچا
چومتے تھے ملَک قدم اس کے

ایک قطرے کے ہم نہیں حقدار
اور احسان یم بہ یم اس کے

مسکرا کر کبھی جو وہ چپ ہو
دیکھیے دیدہ ہائے نم اس کے

باطنِ ذرہ کا جو تھا محرم
آسماں تک گئے قدم اس کے

عشق پہنچاتا ہم کو منزل تک
ساتھ چلتے جو دو قدم اس کے

فکرِ نَو بھی ہے بت کدہ لیکن
عشق بیزار ہیں صنم اس کے

غم کی تہہ میں اتر گیا کوثرؔ
حوصلے ہو سکے نہ کم اس کے

غزل

بنائے بیٹھے ہیں جس پر حریف قصرِ غرور
اسی زمیں پہ ہمارا بھی گھر ہے کیا کہیئے

کوئی بھی نقشِ قدم آج لو نہیں دیتا
بجھی بجھی سی ہر اک رہ گزر ہے کیا کہیئے

یہ تجربہ بھی ہوا دورِ کس مپرسی میں
خلوص زلف سے پیچیدہ تر ہے کیا کہیئے

دیارِ عشق سے کیا کم ہے کوئے نقد و نظر
یہاں بھی مرحلۂ سنگ و سر ہے کیا کہیئے

اب اس فضا میں ہے کوثرؔ سفینۂ احساس
جہاں تصورِ گل بھی بھنور ہے کیا کہیئے

غزل

جلوۂ قربت دیکھا سا ہے
دل میں کون یہ بیٹھا سا ہے

حرفِ طلب ہے جان کا دشمن
زہر بظاہر میٹھا سا ہے

دل کا سفر جاری ہے لیکن
ساحل دھندلا دھندلا سا ہے

نظریں تمھارے چہرے پر ہیں
پھر بھی کیوں اک پردا سا ہے

نقشِ قدم ہے ان کا جہاں پر
جنت کا اک ٹکڑا سا ہے

پھول کو کیوں کر شاخ پہ چھو لوں
یہ تو تمھارا چہرا سا ہے

نوکِ قلم سے دل ٹپکا ہے
کاغذ مہکا مہکا سا ہے

اس کے رخ پر قطرہ عرق کا
چاندی سا ہے سونا سا ہے

ذرہ سورج تک پہونچے گا
دیکھنے میں تو اتنا سا ہے

اس کا تکلم ہوش کے حق میں
نرم ہوا کا جھونکا سا ہے

آب و گِل کے جادو گھر میں
میرا یقیں بھی دھوکا سا ہے

فصلِ کرم بھی کیا کرے کوثر
زخمِ جگر کچھ گہرا سا ہے

غزل

بالشِ ناز پہ سر مستِ حیا نے رکھا
پھر قدم سرحدِ خوشبو میں صبا نے رکھا

آئینے شیوۂ اظہار کے سب توڑ دیئے
ہر طرح غم کا بھرم اہلِ وفا نے رکھا

پردے ڈالے نہ گئے حسن کی معصومی پر
کام تشہیرِ ہنر سے شعرا نے رکھا

کس کے امکاں میں تھی یوں پرورشِ تخمِ شرر
سینۂ سنگ کو آباد خدا نے رکھا

انقلابات محبت میں ہوئے ہوں گے کبھی
ایک ہی رنگ میں مجھ کو تو ادا نے رکھا

سازِ امید کے سب ٹوٹ گئے تار مگر
وہی آہنگ تغافل کی ہوا نے رکھا

غزل

انساں کی اتھاہ تشنگی ہے
دریا دریا خبر یہی ہے

یوں دل پہ نگاہ وہ پڑی ہے
امید کی عمر بڑھ گئی ہے

سب کی قسمت کہاں خوشی ہے
یہ عقل تو جھوٹ بولتی ہے

جنگل جنگل ہے فصل غم کی
زنجیرِ جنوں کھنک رہی ہے

در پردہ ہے سحر کارِ فطرت
بد نام ہماری شاعری ہے

دنیا ہے بہت وسیع لیکن
کیا میرے خیال سے بڑی ہے؟

غزل

کہوں کیا کہ وہی مرا درد وہی رات
ستاتے ہیں ابھی تک ستاروں کے اشارات

مجھے پھونک رہے ہیں خنک عیش کے لمحات
کسے جا کے سناؤں نیا غم ہے نئی بات

رفو کیا وہ کریں گے مرے زخم جگر میں
مری ایک نظر میں ہزاروں ہیں سوالات

مری راہ نوردی نیا دورِ جنوں ہے
اجالیں گے فضا کو یہی خاک کے ذرات

نہیں جاں سے گزرنا بڑا مرحلہ لیکن
قدم پکڑے ہوئے ہیں امیدوں کے طلسمات

''کُن'' آواز تھی کیسی جس آواز سے کوثر
دھڑکتا ہے ابھی تک دلِ ارض و سماوات

غزل

(در وزن رباعی)

بیزار زمیں سے تھے تو لوٹ آئے کیوں
جو تا بہ فلک گئے وہ پچھتائے کیوں

کم ہمت تھے تو پی کر آئے کیوں
گل جوشِ مئے نمو سے تھرائے کیوں

مجھ کو تو نہیں ہے ان سے شکوہ کوئی
شرمندہ ہیں میرے ہمسائے کیوں

مکھڑا نہ رہا طرب کے آنچل میں کوئی
ساون میں اب بجلی لہرائے کیوں

اے پیکِ بہار تھم ابھی چلتے ہیں
معلوم نہیں ہم ان کو یاد آئے کیوں

دیپک ہے عشق یہ جلائے گا ضرور
انساں ایسا راگ آخر گائے کیوں

غزل

شبِ غم کتنا تھا فیاض وہ جاتا لمحہ
جس نے یادوں کا کنول آ کے سرہانے رکھا

دی ہے اشکوں کو زباں اس نے پئے ہم سخنی
مجھ کو تنہا نہ کبھی غم کی فضا نے رکھا

کون سے خواب کی تکمیل ہے منظور آخر
اس نے کیوں چادرِ افلاک کو تانے رکھا

خاک تشنہ کا بھلا سائے سے ہوتا ہے کہیں
دشت پر موت کا احسان گھٹا نے رکھا

میں نشانہ تھا عناصر کی صف آرائی کا
رخ اسی سمت ہر اک سیلِ بلا نے رکھا

میں تو ٹھکرا چکا دنیا کو مگر حیرت ہے
مجھ سے کیوں رابطہ کوثؔر رفقا نے رکھا

غزل

کیا نقشِ جنوں پھر کوئی ایجاد کیا ہے
سنتے ہیں بہاروں نے ہمیں یاد کیا ہے

نادار ہیں بیداد کا ہم دیں گے صلہ کیا
کیوں آپ نے شرمندۂ بیداد کیا ہے

مرنے پہ مرے رکھی ہے شرط اس نے بقا کی
پابند بنایا ہے تو آزاد کیا ہے

ٹوٹے ہوئے آئینوں سے محفل کو غرض کیا
دنیا ہے یہ دنیا نے کسے یاد کیا ہے

احسان کا معیار گھٹایا نہیں اس نے
برباد کیا ہے جسے برباد کیا ہے

تنہا ہمیں مستی میں سخن سنج نہیں تھے
کچھ رات ستاروں نے بھی ارشاد کیا ہے

غزل

خود شمع پہ کیا گزری کوئی اسے کیا جانے
وہ آئے تو آپس میں ٹکرا گئے پیمانے

کافر ہیں نہ اب مومن یوں کہنے کو ملتے ہیں
ہر دل میں خدا خانے ہر سر میں صنم خانے

مٹی بھی ہے گردش میں مستی بھی ہے گردش میں
کس فتنۂ دوراں کی ایجاد ہیں پیمانے

ہر عقل پہ سایہ ہے کچھ جھوٹے سہاروں کا
امید کے رشتہ سے سب لوگ ہیں دیوانے

آغازِ جنوں کا ہے کچھ یاد تجھے اے دل
کس خوابِ تمنا کی تعبیر ہیں ویرانے

ماضی کا ہے نشہ بھی کچھ حال کی مستی میں
دہراتی ہے فطرت بھی بھولے ہوئے افسانے

غزل

کیا خوف ہو سیلِ دورِ شر سے
جب موج گزر گئی ہے سر سے

واقف ہو جو صبر کے ہنر سے
تلوار کا کام لے سپر سے

یاد آئی حسن کی کدھر سے
سو چاند گزر گئے نظر سے

یہ بھی نہ ہو سکا بشر سے
سہا نہ کبھی خدا کے ڈر سے

سیدھی جو گئی ہے شہر غم تک
نکلی ہے وہ راہ میرے گھر سے

غزل

ہمارے راستے میں عجب دریا پڑا ہے
بھنور جس میں ہے کشتی تلاطم ناخدا ہے

مقدر میں بشر کے سفر پیہم لکھا ہے
اجل کی حد سے آگے ابد تک سلسلہ ہے

تبسم کس کا آخر یہاں لو دے رہا ہے
نظر کے حاشیے میں بڑی رنگیں فضا ہے

ظہورِ حسن اپنا کسی کا مدعا ہے
ازل بھی آئینہ ہے ابد بھی آئینہ ہے

مرے صحرائے جاں سے غبار ایسا اڑا ہے
زمیں مہکی ہوئی ہے فلک چمکا ہوا ہے

کمالِ آدمیت یہ غم کا معجزا ہے
مرے دل کی صدا پر سمندر بولتا ہے

جبیں پر میری بل ہیں نہ ہونٹوں پر گلا ہے
حسینوں کا ہے کوچہ یہاں گالی دعا ہے

پئے تخلیق جب بھی قلم میرا اٹھا ہے
حدودِ فکر و فن میں غضب کا رن پڑا ہے

غمِ شاداب میرا جواں رکھتا ہے دل کو
تصور اس کے رخ کا گلابوں سے بھرا ہے

محبت کی مہک ہے بسی دیوار و در میں
بہت آسان کوثر مرے گھر کا پتا ہے

نوٹ: اس غزل میں آٹھ مطلعے شاعر کی قادرالکلامی کا بین ثبوت ہے جبکہ اس وزن میں بہت کم غزلیں ملتی ہیں۔

غزل

کیسا میں زخمِ مدعا ہوں
جس فصل میں دیکھیے ہرا ہوں

لوٹا ہوں امید کے سفر سے
اب ذہن کے زخم گن رہا ہوں

مدت سے ہوں دستِ آگہی میں
سلجھا تو نہیں الجھ گیا ہوں

پوچھا جو مزاج تیرگی نے
مانندِ چراغ جل اٹھا ہوں

شعلہ ہی وہ دے نہ پھول مجھ کو
کس شاخ کے سائے میں پڑا ہوں

آساں نہ تھا قرب اس نظر کا
تلوار کی دھار پر چلا ہوں

غزل

گریز و حیلہ و رم کے سوا کچھ اور نہیں
خوشی فریبِ الم کے سوا کچھ اور نہیں

مقامِ دل کی تباہی کا ہے وہ بزمِ جمال
جہاں نشاط کرم کے سوا کچھ اور نہیں

یہ دل کہ جس پہ مہ و مہر کی نگاہیں ہیں
کسی کے نقشِ قدم کے سوا کچھ اور نہیں

سکوتِ حسن کو کچھ رنگ ارتباط بھی دے
کہ یہ ستم تو ستم کے سوا کچھ اور نہیں

یہ میری روشنیِ فکر یہ کمالِ نگاہ
فروغِ بادۂ غم کے سوا کچھ اور نہیں

غزل

غنچے جو ہنس پڑے ہیں شبنم کی آنکھ تر ہے
تصویرِ زندگی کی ہر رخ سے جلوہ گر ہے

آواز دے رہی ہے کیا جانے کس کی منزل
ہر ہر نفس ہمارا آمادۂ سفر ہے

ہر لمحہ اک صدی ہے غم ہے اگر سلامت
یہ کاروبارِ ہستی کہنے کو مختصر ہے

اے غیرتِ اسیری توڑ اس قفس کو اڑ چل
مانگی ہوئی رہائی توہینِ بال و پر ہے

وہ رو پڑے ہیں سنکر میں ہنس رہا ہوں کہہ کر
افسانۂ محبت پورے شباب پر ہے

اب تک حجاب میں ہے کوثرؔ جمالِ ہستی
ہر چند چشمِ بینا بینائے خشک و تر ہے

غزل

وہ جو ہنس دیئے ہیں سن کر بہ ادائے دلبرانہ
تو چمک چمک اٹھا ہے مرے عشق کا فسانہ

سحر انقلابِ نَو کی یہ سنا گئی ترانہ
کہ ہے شاخِ گل اسی کی جو بنا لے آشیانہ

تجھے کیف میں ڈبو دوں ادھر آ غمِ زمانہ
مرے جام میں ہے باقی ابھی کچھ مئے شبانہ

کسی ایک رخ پہ قائم نہیں ناوک محبت
کبھی موت اس کی زد پر کبھی زندگی نشانہ

جو چبھے جگر میں نشتر کبھی دیکھ مسکرا کر
کہ بری نہ ہو طبیعت تو برا نہیں زمانہ

مجھے ربطِ خاص کوثرؔ ہے بتانِ آرزو سے
حرم آشنا ہے لیکن مری وضع کافرانہ

غزل

دور رہ کر حسن سے کیا چمکے فرزانوں کا نام
شمع کی قربت ہی سے روشن ہے پروانوں کا نام

ذکر کے قابل وہاں ہے صرف دیوانوں کا نام
جلوہ گاہ ناز میں کیا آئے بیگانوں کا نام

سر فروشانِ محبت کو مٹا سکتا ہے کون
زندہ رہتا ہے ہمیشہ ایسے انسانوں کا نام

مست آنکھوں کے تصور نے عجب جادو کیا
بھول بیٹھے سارے بادہ خوار میخانوں کا نام

غزل

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ یوں خونِ وفا ہوتا
کرم عادت نہیں میری یہ پہلے کہہ دیا ہوتا

مجھے مٹنا تھا اک دن تو مٹا دیتا تو کیا ہوتا
ترا ذوقِ ستم ہاں آج مجھ کو ڈھونڈتا ہوتا

مقامِ صبر ہے بیگانگیِ حسن بھی اے دل
وہ فطرت آشنا ہوتا تو کیوں نا آشنا ہوتا

مرے عزمِ تمنا کو خدا رکھے کہ قائم ہے
کوئی تم سا ہی غفلت آشنا ہوتا تو کیا ہوتا

وہی غنچے وہی گلشن وہی موسم وہی منظر
انھیں بھی بیخودگی تو کھینچ لے آتی تو کیا ہوتا

تبسم اور مسلسل جلوے اور طوفان جلووں کے
وہ عالم تھا کہ میں خود شعلہ بن کر اڑ گیا ہوتا

نظر ساقی سے ملنی تھی کہ ساغر ہاتھ سے چھوٹا
نہ چونکاتا جنوں تو رازِ مستی کھل گیا ہوتا

کمی ذوقِ نظر کی ورنہ وہ آئینہ خانہ تھا
جدھر بھی آنکھ اٹھ جاتی انھیں کا سامنا ہوتا

دعا دے اے تجلی میرے آدابِ محبت کو
نگاہیں آج اٹھ جاتیں تو پردہ اٹھ گیا ہوتا

ترے قدموں پہ شوقِ سجدہ ہے کوثرؔ کو مدت سے
کچھ اس انداز کے سجدے کہ ہر سجدہ روا ہوتا

غزل

اشک آنکھوں میں ارغوانی ہے
جیسا دریا ہے ویسا پانی ہے

ہر نفس صرف نوحہ خوانی ہے
آج کل ان کی مہربانی ہے

حال بھی پوچھو مسکراؤ بھی
یہ ستم ہے کہ مہربانی ہے

غم سے ملتی ہے آبروئے گہر
اشک کیا ایک بوند پانی ہے

شیوۂ جور بھی وہ بھول گئے
سرگرانی سی سرگرانی ہے

ہائے جنس وفا کی نایابی
ہم نے عالم کی خاک چھانی ہے

راتیں سونی اداس اداس سحر
یہ مرا موسمِ جوانی ہے

ذرے ذرے میں جلوہ ریز ہو تم
کہدوں کیوں کر کہ دہر فانی ہے

نگہِ شرمگیں کی بات ہے اور
تم نے کب اپنی بات مانی ہے

شعر تو میرے کچھ نہیں کوثر
سننے والوں کی قدر دانی ہے

غزل

جو خودشناس تھا دادِ ہنر اسی سے ملی
بہائے شوخیِ فکر و نظر اسی سے ملی

وہ بے نیاز تھا ہر شے مگر اسی سے ملی
طہارتِ دل و تابِ نظر اسی سے ملی

میں کیا تھا آیتِ فتح و ظفر اسی سے ملی
مصافِ باطل و حق میں سپر اسی سے ملی

غبارِ وحشتِ رسوا حیاتِ قیس سہی
جنوں کو منزلتِ سنگ و سر اسی سے ملی

خدا کا شکر کہ بھٹکا نہ میرا ذوقِ طلب
نظر میں جو پنہاں تھا نظر اسی سے ملی

صدا میں نور ملا نور میں کلام اس کا
یہ طُرفہ کاریِ سمع و بصر اسی سے ملی

کرم ہوا کبھی یوں بھی کہ دستِ انساں کو
عنانِ اشہبِ شام و سحر اسی سے ملی

منافقانہ روش تھی ہمارے مخلص کی
مثالِ راہزن و راہبر اسی سے ملی

غزل

یہ ترے خیال کی نزہتیں یہ ترا تصورِ پیرہن
کبھی جاگ جاگ اٹھی سحر کبھی جھوم جھوم اٹھا چمن

ترے نازِ حسن کی ابتدا مرے درد و شوق کی انتہا
مرے سو نگاہ کے مرحلے ترا ایک جلوۂ انجمن

یہ جنون و عقل کے معرکے ترے حوصلوں کے ہیں منتظر
جو تری نوا میں ہوں گرمیاں تو یہیں ہے دار یہیں رسن

کبھی سیلِ بو میں مہک اٹھے کبھی رنگِ گل میں جھلک اٹھے
وہی شانِ حسنِ نمود ہے کہیں سادگی کہیں بانکپن

غزل

یہ شغلِ شانہ و آئینہ بار بار نہ ہو
کہیں تمھیں پہ تمھاری ادا کا وار نہ ہو

تبسم ان کا چمن میں جو صَرفِ کار نہ ہو
کہیں بہار بہ جز حسرتِ بہار نہ ہو

ہر ایک لمحہ حجاباتِ دل کو جنبش ہے
کہیں یہیں سے طلوعِ جمالِ یار نہ ہو

ہزار شکر، خدا نے مجھے دیا ہی نہیں
وہ دل جسے ترے وعدوں پہ اعتبار نہ ہو

کسے نصیب ہیں محرومیاں محبت کی
نظر وہ کیا جسے توفیقِ انتظار نہ ہو

وہ رند بے خبر و مستِ عشق ہے کوثر
جسے اجل بھی پکارے تو ہوشیار نہ ہو

غزل

ہر گام پہ برپا ہے اک حشرِ دل آزاری
چلنے نہیں دیتی اب احساس کی دشواری

دل ڈنڈھ ہی لیتا ہے ہر غم میں طرب کاری
ترمیم کے قابل ہیں آدابِ ستم گاری

ہنسنا ہو تو روتے ہیں رونا ہو تو ہنستے ہیں
دیکھے تو کوئی ان کے دیوانوں کی ہشیاری

اب آنکھ نہیں روتی اب زخم نہیں ہنستے
اب رسمِ محبت میں ہوتی ہے ریاکاری

خود داریِ الفت کو ٹکرالوں تغافل سے
اتنی تو اجازت دے تہذیبِ وفاداری

تم ضبط کی کوشش تو کرتے ہو مگر کوثر
آثارِ محبت ہیں یہ مستی و سرشاری

غزل

زلفوں کو رخ پہ دیکھ رہا ہوں عتاب میں
ہوں محو سیر عالمِ برق و سحاب میں

لاؤ شراب غم کو ڈبو دیں شراب میں
کب تک جئیں گے فکرِ گناہ و ثواب میں

بے چینیوں سے کام رہا ہے شباب میں
اب تک کئی جگہ ہے شکن و فرشِ خواب میں

منزل ہے آگے اور بھی مرگ و حیات سے
غم کا فسانہ ختم نہ کر چند باب میں

کیسی نگاہ کی یہ کسی کم نگاہ نے
جلوے پناہ ڈھونڈ رہے ہیں حجاب میں

اے سونے والے اٹھ کہ چمکتے ہیں راستے
پھر روشنی رہے نہ رہے آفتاب میں

غزل

ہٹتی نہیں نگاہیں پھولوں کی رہ گزر سے
جلوے یہ کہہ رہے ہیں گزرے ہیں وہ ادھر سے

پی کر شرابِ عرفاں اک ایک برگِ تر سے
نکلے ہیں جھومتے ہم میخانۂ سحر سے

صنعت حسین و نازک انجام اس سے نازک
فریاد کر رہا ہوں بیداد شیشہ گر سے

آؤ مری نظر کو منزل بنا بھی جاؤ
گھبرا چلی محبت امید کے سفر سے

ہے اک جواں تصور رشکِ جنونِ طاعت
سجدوں کو ہے تعلق سر سے نہ سنگِ در سے

رسوائیِ محبت کرتی ہے جب اشارہ
بنتے ہیں سو فسانے اک آہِ مختصر سے

غزل

خزاں کے دور میں یہ حسن اتفاق کہو
جو اس کا نام لیا تو مہک اٹھی ہر سانس

اسی کے نشے پہ رکھنا پڑا یقیں کی اساس
جو میرے ذہن کے شیشے میں ہے شرابِ قیاس

مشاہدہ رخ و گیسو کا ایک مذہب ہے
اسی فضا میں ہے شاداب فنِ کالیداس

وہ میرے پاس سے دامن جھٹک کے گزرا تھا
ہوا تھی ایسی کی باقی رہا نہ نظمِ حواس

کدھر برس گیا ابرِ بہار اب کے برس
نہ رنگ کوئی گلابوں کے شہر میں ہے نہ باس

گماں نہ تھا کہ مری یوں شریکِ غم ہوگی
یہ کائنات تو ہر لمحہ ہو رہی ہے اداس

چھپائے ہے مرا سر خیمہ بے نیازی کا
یہ وہ جگہ ہے جہاں کوئی خوف ہے نہ ہراس

میں دیکھتا ہی رہا عمر بھر انھیں لیکن
کسی طرح نہ بجھائے بجھی نگاہ کی پیاس

شریکِ حال رہے گو خوشی و غم کوثر
مرے جنوں کا مداوا نہ تھا کسی کے بھی پاس

غزل

میرے حال پر ان کو اس طرح ہنسی آئی
اور کچھ نکھر آیا رنگ حسنِ رسوائی

عشق کی سکوں طلبی در بدر پھرا لائی
سر انھیں کے قدموں پر رکھ دیا تو نیند آئی

یاد اور یاد ان کی شام اور تنہائی
دل تڑپ تڑپ اٹھا آنکھ ڈبڈبا آئی

زینتِ تصور تھی یوں کسی کی انگڑائی
رات کے اندھیرے میں جیسے برق لہرائی

رنگ و بو کی دنیا میں جستجو بڑھی اتنی
خود مری نظر نکلی اک جہانِ رعنائی

کافرانِ نعمت کا ذکر یاں نہیں کوثر
کس نے عشق میں مٹ کر آبرو نہیں پائی

غزل

اشکِ غم کو آج اثر کا مدعی پاتا ہوں میں
ان کی آنکھوں میں بھی جیسے کچھ نمی پاتا ہوں میں

بل جبیں پر گیسوؤں میں برہمی پاتا ہوں میں
بگڑا بگڑا سا نظامِ زندگی پاتا ہوں میں

پھر انھیں رنگین ہونٹوں پر ہنسی پاتا ہوں میں
پھول کے دامن پہ رقصاں چاندنی پاتا ہوں میں

شوخیِ تخلیق لے آئی مجھے کس دور میں
آدمی کو بے نیازِ آدمی پاتا ہوں میں

شوق نے پائی ہے کچھ ان کی جھلک دل میں ضرور
اس فضا میں دھیمی دھیمی روشنی پاتا ہوں میں

رات بھر برسی ان آنکھوں کے تصور میں شراب
پھر بھی نیت کو خرابِ تشنگی پاتا ہوں میں

کون اے وارفتگی محفل سے اٹھ جانے کو ہے
ہر نفس کو اک سلامِ آخری پاتا ہوں میں

ہو نہ ہو کوثر نظر آتے ہیں آثارِ بہار
ان دنوں بیدار ذوقِ شاعری پاتا ہوں میں

غزل

شرح غم ہو کے رہی درد کے افسانے سے
رنگ بگڑا تھا ضرور آپ کے شرمانے سے

پھیکے پھیکے سے ہیں انداز و ادا کے تیور
سونی سونی سی ہے محفل مرے اٹھ جانے سے

ہم نے بے وقت ہر اک رت کو بدلتے دیکھا
پا س آنے سے ترے دور چلے جانے سے

یوں تو سنتے تھے محبت کی کہانی لیکن
واقعہ درد بنا دل پہ گزر جانے سے

عشق دریا ہے مگر دل میں سمٹ آتا ہے
یہی مے ہے جو چھلکتی نہیں پیمانے سے

عقل میں روح میں دل میں وہی وہ ہیں کوثر
حسن مانوس ہے تسبیح کے ہر دانے سے

غزل

یاد اور ان کی یاد ارے توبہ
لحہ لحہ یہ تیز تیز شراب

ہے جنوں زہد کا بجا لیکن
کس کے سر جائے گا یہ خونِ شباب

بنتے بنتے فغاں بنے گی نگاہ
اٹھتے اٹھتے اٹھے گی رخ سے نقاب

بجھ گئی پیاس کتنی نظروں کی
حسن پھر بھی ہے آج زیرِ نقاب

وہ نظر اٹھ رہی ہے جام بکف
دامنِ ہوش ہو چلا ہے خراب

حسن کے دل میں ہو کسک کیسے
درد کمیاب آرزو نایاب

غزل

اب دل کی طرف آنکھ اٹھائی نہیں جاتی
توقیرِ ستم ان سے گھٹائی نہیں جاتی

کہنے کو تجلی وہ دکھائی نہیں جاتی
لیکن مری نظروں سے چھپائی نہیں جاتی

اب برقِ ستم دل پہ گرائی نہیں جاتی
وجہِ کرم خاص بتائی نہیں جاتی

مدت ہوئی اس حادثۂ برق کو لیکن
ہے یادِ نشیمن کہ بھلائی نہیں جاتی

افسردگیِ ذوقِ تماشہ کو نہ پوچھو
اب آنکھ بمشکل بھی اٹھائی نہیں جاتی

یہ غم کی سیاست ہے یہ تہذیبِ وفا ہے
وجہِ ستمِ یار بتائی نہیں جاتی

بپھرے ہوے طوفانوں کا منہ پھیر چکا ہوں
اک قسمتِ دل ہے کہ بنائی نہیں جاتی

کوثرؔ چلو اس دل کو کہیں پھینک بھی آئیں
بے مہر سے اب آس لگائی نہیں جاتی

غزل

نوازش تیرے جلووں کی سیہ بختوں کی محفل میں
نکل آیا کدھر سے چاندِ ظلمت خانۂ دل میں

وفا کی آزمائش ہو رہی ہے ان کی محفل میں
ہوس کانٹے بچھائے جا رہی ہے میری منزل میں

نظر کا بار کانٹا دل کا داغِ دامنِ ہستی
تمہاری بے نیازی کا اک آئینہ ہوں محفل میں

میرے انفاس سے کوثرؔ چھڑا اک سرمدی نغمہ
امنگوں نے جو لی انگڑائیاں میخانۂ دل میں

غزل

بدگماں کیوں ہیں اگر آنسو گرا دیتا ہوں میں
اے وفا نا آشنا دادِ جفا دیتا ہوں میں

آہ کی شورش کو نغموں میں چھپا دیتا ہوں میں
بات جب دل کی بگڑتی ہے بنا دیتا ہوں میں

بیخودی میں جب حجاب دل اٹھا دیتا ہوں میں
نور سے کون و مکاں کو جگمگاں دیتا ہوں میں

خاک ہوں برباد ہوں لیکن جب آتا ہوں کبھی
تیری بزمِ ناز کی رونق بڑھا دیتا ہوں میں

اک ذرا تم موقعِ عرضِ وفا دو تو سہی
دو ہی لفظوں میں تو افسانہ سنا دیتا ہوں میں

کیا کہوں کوثر میں ان سے کون ہوں کیا چیز ہوں
جب کبھی وہ پوچھتے ہیں سر جھکا دیتا ہوں میں

غزل

ستارے کچھ اشارے کر رہے ہیں ماہ کامل سے
بس اب پیغام آنے چاہتے ہیں صبحِ منزل سے

بہاریں لے گیا صیاد سب پھولوں کی محفل سے
چمن تو ہے مگر محروم ہے شورِ عنادل سے

زمانہ یاد رکھے کھیلتا تو ہے مرے دل سے
کہ جو مشکل سے جیتے ہیں وہ مرتے بھی ہیں مشکل سے

مرا خونِ تمنا تھا مرا دل تھا مرا سر تھا
یہ دنیا کیوں الجھ بیٹھی ہے آخر میرے قاتل سے

بسانا تھا مٹا ڈالا ملال اب اس میں کا ہے کا
چلو آخر انھیں بھی تو شکایت تھی میرے دل سے

غزل

دفعتاً وہ یوں خفا کیا ہوگئے
زندگیِ دل کا دھوکا ہوگئے

حالِ دل ان سے کہا ہم نے تو کیا
مجرمِ عرضِ تمنا ہوگئے

ماجرائے عہدِ رسوائی نہ پوچھ
چپ رہے اس پر بھی رسوا ہوگئے

آپ کے فیضِ نظر سے اس میں بھی
حسن کے انداز پیدا ہوگئے

طول کھینچی ناز کی تمہید نے
یوں کہ ہم بارِ تمنا ہوگئے

دل کے ذرے رہ گزارِ شوق میں
اس قدر پھیلے کہ صحرا ہوگئے

غزل

تمہیدِ پردہ داریٔ عالم اٹھائیے
نظریں اٹھائیے تو مگر کم اٹھائیے

کہتا ہے دل فروغِ تباہی کے واسطے
کچھ روز نازِ گیسوئے برہم اٹھائیے

جلووں کو چاہیئے نئی تہذیبِ آرزو
دنیائے دل سے رسم و رہِ غم اٹھائیے

ہم چھپ کے پی رہے ہیں مئے غم بہ ایں خیال
کیوں اعتبارِ مے کدۂ جم اٹھائیے

اب شورِ حشر کی نہ رہی کوئی آبرو
کس نے کہا تھا فتنۂ آدم اٹھائیے

زیورِ عروسِ فکر کو گلشن سے لے چلیں
کوثر نظر سے گوہرِ شبنم اٹھائیے

غزل

غرورِ دلبری کم ہے نہ سوزِ عاشقی کم ہے
تباہی میری دنیا ہے تجلی ان کا عالم ہے

ہر اک منظر کو اپنی شان میں حاصل ہے یکتائی
کہیں دریا ہی دریا ہے کہیں شبنم ہی شبنم ہے

مقابل ہے مرے یوں مجھ سے بھی دیکھا نہیں جاتا
مری افسردگی پر آئینہ کی آنکھ پرنم ہے

تصور کیا ہے اک سایہ ہے دامانِ تمنا کا
یہی سایہ جو رخ بدلے تو ان کی زلف برہم ہے

یہ انساں کی طرف تکتے ہیں کیوں حسرت سے راتوں کو
رگِ مہتاب و انجم میں بھی شاید خونِ آدم ہے

کسی ماحول میں زندہ نہیں ذوقِ خریداری
مرا دل آج بھی رسوائے بازارِ دو عالم ہے

رہِ امید میں کس سے نگاہیں آج ٹکرائیں
کبھی جو خواب دیکھا تھا وہی حسنِ مجسم ہے

سنا ہے شکوۂ غم کرنے والوں کی حکایت میں
وہ میرا نام لیتے ہیں مجھے اس کا بڑا غم ہے

غزل

روح گھبرائی پھرے منزلِ درماں نہ ملے
ہائے وہ وقت زمانے میں جب انساں نہ ملے

دل کی جانب سے ابھی موڑ نہ رفتارِ نظر
اسی صحرا میں کہیں بوئے گلستاں نہ ملے

قافلے غم کے کہیں لٹ ہی گئے ہیں ورنہ
ایک آنسو کی بھی آہٹ سرِ مژگاں نہ ملے

اپنے ہی سایۂ تقدیر میں سو لیتا ہے
کیا کرے جس کو ترا سایۂ داماں نہ ملے

ان کی بکھری ہوئی زلفوں کا تقاضا سمجھو
اپنے مرکز پہ اگر گردشِ دوراں نہ ملے

بارشِ لطف تھی بربادیِ دل تک کوثر
پھر وہ موجیں نہ نظر آئیں وہ طوفاں نہ ملے

غزل

حوصلہ ہو تو مشیّت نگراں ہوتی ہے
پنکھڑی پھول کی کانٹوں میں جواں ہوتی ہے

جرأتِ دید کہاں جب سے یہ احساس ہوا
کہ ہنسی اس لبِ نازک پہ گراں ہوتی ہے

یہ بتایا مجھے اک عارفِ محرومی نے
زندگی صاحبِ غیرت پہ گراں ہوتی ہے

شاہدِ نو نظر آتی ہے غزل اے کوثر
تازگی شعر کی جب عطر فشاں ہوتی ہے

غزل

فروغِ حسن ساقی بن کے میخانے تک آیا ہے
تصور ان حسیں آنکھوں کا پیمانے تک آیا ہے

کسی نے کہہ دیا کیا راز میری سجدہ ریزی کا
تعجب ہے جو زاہد آج بت خانے تک آیا ہے

کسے معلوم کتنے حسن سے نازِ جمال اس کا
بیاں کی آڑ لے کر میرے افسانے تک آیا ہے

مسلّم ہو گئی ہے جب جنوں کی عالم آرائی
سلام اہلِ خرد کا تیرے دیوانے تک آیا ہے

مزاجِ حسن کا شکوہ کیا تھا جوشِ مستی میں
جوابِ شمع لے کر شعلہ پروانے تک آیا ہے

خیالِ زلف بھی منظر کشی میں فرد ہے کوثر
ستارے ساتھ لے کر میرے کاشانے تک آیا ہے

غزل

عجیب چیز جنوں کا یہ کاروبار بھی ہے
وہ سامنے بھی ہیں اور ان کا انتظار بھی ہے

نہ پوچھئے کہ یہ اندازِ صلح و جنگ ہے کیا
کرم کسی کا مری بیکسی پہ وار بھی ہے

بڑے سکوں سے ہوں ویرانۂ مقدر میں
جہاں چمن ہے وہاں حسرتِ بہار بھی ہے

وہ ذوقِ جلوہ نمائی سے ہیں بہت مجبور
ہمیں تو اپنی نگاہوں پہ اختیار بھی ہے

جہاں تک آپ کی نظریں اداس جاتی ہیں
وہیں کہیں مری امید کا مزار بھی ہے

چمن تو اب کے بہاروں کا ناز اٹھا نہ سکا
یہاں تو خیر سے دامن میں کوئی تار بھی ہے

انھیں خبر نہیں میری ستم پرستی کی
غرورِ عشق جسے ہے وہ خاکسار بھی ہے

انھیں کے کوچے میں ملتا ہے روز اب کوثر
خبر کرو کہ یہ دیوانہ ہوشیار بھی ہے

غزل

کیا کہئے کیا سے کیا نگہِ یار ہو گئی
کھینچی جو سانس عشق نے تلوار ہو گئی

شکلِ نجات روح کا آزار ہو گئی
جنت بھی تیری راہ میں دیوار ہو گئی

امید نغمہ بن کے رہی دل میں مدتوں
آخر شکستِ ساز کی جھنکار ہو گئی

صدیوں پلی عقیدتِ انساں کے سائے میں
دنیا جواں ہوئی تو دل آزار ہو گئی

لایا ثبوت عشق میں آیاتِ آہِ دل
کس بوالہوس کو جرأتِ انکار ہو گئی

دامن تک آنسوؤں کو اب آنے میں عذر ہے
جب احتیاطِ عشق گنہگار ہو گئی

پنہاں ہر ایک پردے میں دامِ جمال تھا
اٹھی جدھر نگاہ گرفتار ہو گئی

کوثر تجھے جنوں کا صلہ دے خدا کہ پھر
تجدید شورشِ رسن و دار ہو گئی

غزل

سوائے شرم گنہ کچھ بھی میرے پاس نہیں
مری نجات کی اب زاہدوں کو آس نہیں

کلی کا خونِ تبسم چھپا نہ پردوں میں
ابھی بہار بھی شائستۂ لباس نہیں

تمام بارِ الم دل پہ ہم اٹھا لائے
اب ان کی بزمِ طرب میں کوئی اداس نہیں

کسی سے جیسے شکایت ہو بات اگر سنئے
جو دیکھیے تو کوئی میرے آس پاس نہیں

مآلِ عشق پہ ہنستے ہیں حضرتِ ناصح
خدا کا شکر کہ ہم اتنے بدحواس نہیں

حضورِ حسن سخن ہو ، سکوت ہو کہ فغاں
کوئی بھی وضع ہو شایانِ التماس نہیں

الجھ کے رہ گیا جیسے نظام عالم کا
کہاں کہاں تری زلفوں کا انعکاس نہیں

اگر ہماری غزل کا ہو تجزیہ کوثر
تو کیا صحیفۂ فطرت کا اقتباس نہیں

غزل

ساقی جو نظر تیری پیمانے تک آ جائے
ہنگامہ بہاروں کا میخانے تک آ جائے

وہ زلف جنوں پرور برہم ہے بہت ورنہ
جو شورشِ غم اٹھے دیوانے تک آ جائے

میں حسن ، تمنا کا محفل میں جو چمکا دوں
لو شمع کی لہرا کر پروانے تک آ جائے

صبحیں تو نہ لوٹیں گی تارے تو نہ جھانکیں گے
بجلی ہی کبھی میرے غم خانے تک آ جائے

پی لوں گا بہر صورت وہ زہر سہی آنسو
کیوں بات مرے دل کی افسانے تک آ جائے

کوثر ترے سجدوں کے انداز بتاتے ہیں
پیغامِ حرم شاید بت خانے تک آ جائے

غزل

وہی حسن کی ادا ہے وہی درد ہے ہمارا
نہ انھیں ستم کی فرصت نہ ہمیں کرم گوارا

تجھے کیا بتاؤں کیوں ہے مجھے نازِ غم گوارا
اسی آسماں پہ چمکا مرے عشق کا ستارا

وہ زمیں کی شورشیں تھیں کہ دبا سکا نہ انساں
جو حریفِ آسماں تھا انھیں پستیوں سے ہارا

میں گزر گزر گیا ہوں مہ و مہر کی فضا سے
جو کبھی کبھی ملا ہے تری یاد کا سہارا

یہی اشک گل کھلائے یہی آہ گنگنائے
رخِ زندگی بدل دوں ہو اگر ترا اشارا

غم دل کی داستاں میں تھیں نزاکتیں ہزاروں
نہ میں کہہ سکا مکرر نہ وہ سن سکے دوبارا

میرے ذوقِ سیرِ گل کو کبھی باغباں نہ سمجھا
میں نکل گیا چمن سے تو بہار نے پکارا

کسے چھوڑتا ہے کوثر یہ زمانۂ ستمگر
جو بچا اجل کی زد سے اسے زندگی نے مارا

غزل

چاہے تباہیوں کے ماتھے سے بل نہ جائے
جینا ہے مجھ کو جب تک دنیا بدل نہ جائے

گستاخ نیتیں ہیں رندانِ خوش نظر کی
ساقی! صراحیوں سے خود مے ابل نہ جائے

غم خوار بن کے آیا پھر دشمنِ محبت
پھر نام اس کا میرے منہ سے نکل نہ جائے

کچھ اختلاف سا ہے باہم دل و نظر میں
وہ سامنے جو آئیں دونوں میں چل نہ جائے

تقدیر کے ستارے پرواز کر رہے ہیں
چونکو کہ وقت تم سے آگے نکل نہ جائے

تاریکیوں میں جیسے دل تھرتھرا رہا ہے
یہ رات تیرے غم کے سانچے میں ڈھل نہ جائے

کچھ تیز ہو چلی ہے رو سوزِ آرزو کی
اے شمع تجھ سے پہلے پروانہ جل نہ جائے

مستی میں بھی ہے لازم کچھ احتیاط کوثر
بہکے بھی گفتگو تو شانِ غزل نہ جائے

غزل

چمن آفریں ہے مانا مرا طرزِ گل فشانی
کوئی مجھ سے یہ تو پوچھے ہوا کتنا خون پانی

مرے ہوش اڑا رہا ہے ترا عشوۂ جوانی
جو نظر نظر فسوں ہے تو ادا ادا کہانی

بصد اہتمام آئی لیے سیلِ شادمانی
جو مرا سکوت دیکھا تو گزر گئی جوانی

یہ ستم گری کا لہجہ یہ ادا کی خوش بیانی
گلہ میری بے قراری کرم ان کی بدگمانی

میرا ڈوبتا سفینہ یہ نہ پوچھو کیوں کر ابھرا
مجھے طعنہ دے گئی تھی کسی موج کی روانی

سرِ جادۂ جنوں کل مجھے خضر نے بتایا
ترے انتظار میں ہے ابھی عمرِ جاودانی

یہ دعا ہے لوٹ لے اب کوئی انقلاب اس کو
مرے ذہن میں ہے باقی ترا نقشِ بدگمانی

وہی دل شکن خموشی رہی بزمِ دلبری میں
مری آرزو تھی شاید کوئی اجنبی کہانی

جو ثبات کی طلب ہو تو وہ رہ گزر ہے ان کی
تجھے راستہ بتا دوں ٹھہر اے بہار فانی

غزل

میرے سکوتِ غم کی ادا ساحرانہ ہے
مدت سے حسن بے خبرِ زلف و شانہ ہے

اے بے خبر نہ بھول زمانہ زمانہ ہے
بدلا تو پھر تمام حقیقت فسانہ ہے

کافر تو ہوں مگر تجھے زاہد خبر نہیں
تیرے خدا سے ربط مجھے غائبانہ ہے

اشکوں سے ہم فضا کو بدل کر گزر گئے
کہتی رہی بہار کہ میرا زمانہ ہے

احساس خود ہے خالقِ تقدیرِ زندگی
جو کل قفس تھا آج وہی آشیانہ ہے

ایجاد کا کمال ہے ترتیبِ کائنات
یہ نا تمام ہو کے مکمل فسانہ ہے

ساقی یہ چاہتا ہے کہ آجائے تجھ کو ہوش
اے کم نظر شراب کی مستی بہانہ ہے

اس کی نظر کی رو میں بہا جا رہا ہوں میں
یہ دیکھنا ہے مجھ کو کہاں تک زمانہ ہے

یہ راز ادائے حسن ہمیں بھی بتا گئی
خود آئینہ کے گھر میں ادا کا خزانہ ہے

غزل

دورِ چمن ہے کیسا اے گردشِ زمانہ
کانٹوں میں زندگی ہے پھولوں میں آشیانہ

خورشید ناز تیرا شبنم نیاز میرا
جلوہ تیری کہانی آنسو میرا فسانہ

آ میں تجھے بتاؤں تاریخِ مے پرستی
جب رند با خبر تھے دل تھا شراب خانہ

ہم حال کیا بتائیں وہ پوچھنے جو آئیں
آنسو پناہ ڈھونڈیں آنکھیں کریں بہانہ

دامن سے اک تمنا لپٹی ہوئی ہے تھم جا
اے عمر بے مروت اے فتنۂ زمانہ

تخلیق کا ستم ہے کوثر وجود میرا
فطرت ہے باغیانہ قسمت ہے عاشقانہ

غزل

کچھ یوں خیال عارضِ خوباں میں کھو گئے
ہم جیسے نورِ صبح گلستاں میں کھو گئے

ٹپکا کے اشک سر بہ گریباں ہے آج عشق
موتی تھے کچھ جو گوشۂ داماں میں کھو گئے

ہنگامہ حسن و عشق کا وسعت پذیر تھا
آ کر سفینے سب اسی طوفاں میں کھو گئے

جو سن سکے سنے ترا افسانۂ جمال
اہلِ نظر تو شوخیِ عنواں میں کھو گئے

کوثر نگاہِ خاص تو خوابِ امید ہے
ہم اس کے التفاتِ گریزاں میں کھو گئے

غزل

ہر جلوے کو بے پردہ دکھایا ہے ہمیں نے
احساس کو آئینہ بنایا ہے ہمیں نے

اوہام کی ظلمت میں بھٹکتی تھیں نگاہیں
فانوسِ یقیں آ کے جلایا ہے ہمیں نے

آسان نہ تھی جنسِ محبت کی حفاظت
اس آگ کو سینے میں چھپایا ہے ہمیں نے

خود حسن کو احساس نہ تھا حسنِ ادا کا
اس فتنے کو سوتے سے جگایا ہے ہمیں نے

نکہت بہت آزردہ تھی پھولوں کے وطن میں
انفاس کی بستی میں بسایا ہے ہمیں نے

اے حسن دل آزار ابھی بات ہے کل کی
دامن ترے ہاتھوں سے چھڑایا ہے ہمیں نے

یورش تھی زمانے میں تمنائے طرب کی
پرچم غم ہستی کا اٹھایا ہے ہمیں نے

اے شاہدِ فطرت تجھے اس کی بھی خبر ہے
آنچل تیرے عارض سے ہٹایا ہے ہمیں نے

غزل

جینے کی روداد یہی ہے
بھول گیا ہوں یاد یہی ہے

فصلِ گل آئی بھاگ چمن سے
اے غافل صیاد یہی ہے

بیٹھے بیٹھے ہنس دیتا ہوں
اب طرزِ فریاد یہی ہے

کلیاں چٹکیں مرجھا اے دل
موسم کا ارشاد یہی ہے

جیتا ہوں ان کے وعدے پر
قیدِ بے میعاد یہی ہے

مے نہ ملے غم ملتا جائے
مستی کی بنیاد یہی ہے

مجھ پر کیا تم دل پر ہنس لو
شاد یہی ناشاد یہی ہے

موجِ نسیم آئی ہے قفس تک
گلشن میں آزاد یہی ہے

سازِ غزل اب رکھ دے کوثر
سوزِ سخن کی داد یہی ہے

غزل

دل میں عشق پریشاں ٹھہرا
ساحل پا کر طوفاں ٹھہرا

آیا ہے پیغام حرم سے
کفر ہمارا ایماں ٹھہرا

اف وہ زمانہ میرے جنوں کا
صحرا صحرا زنداں ٹھہرا

ہاتھ بڑھے تھے وقت کی جانب
وہ بھی ان کا داماں ٹھہرا

جھوٹ نہ بول اے شاخِ ہستی
جینا کس کو آساں ٹھہرا

ان کا تصور لے کے گئے ہم
ہلکا رنگ گلستاں ٹھہرا

غم کتنا تشریح طلب تھا
افسانہ بھی عنواں ٹھہرا

کوثر وہ محفل سے اٹھے یوں
اٹھ جانا بھی احساں ٹھہرا

غزل

بے خبر نیند تری ہوش کا پیغام بھی ہے
موت کا نام یہاں وقفۂ آرام بھی ہے

گرمیِ بزم ہے خود جلوۂ احساس ترا
صبح کو صبح نہ سمجھیں تو یہی شام بھی ہے

جیسے ہر گام پہ ملتا ہے سہارا دل کو
ہائے کیا چیز سرورِ مئے آلام بھی ہے

شرم آتی ہے اسے پھر بھی محبت کہتے
دل میں یوں درد بھی ہے لب پہ ترا نام بھی ہے

سیکڑوں رنگ میں ہوتا ہے محبت کا ظہور
یہی گلشن بھی ہے صیاد بھی ہے دام بھی ہے

پا شکستہ نہ ہو آغازِ وفا میں کوثر
سامنے تیرے ابھی وادیِ انجام بھی ہے

غزل

حسن بدمست بھی ہے جاں کا خریدار بھی ہے
دیکھنا یہ ہے کوئی صاحبِ ایثار بھی ہے

محفل آرا ہو مگر فرضِ جنوں بھول نہ جا
سامنے دشت بھی ہے دامنِ کہسار بھی ہے

آ ہی جاتا ہے نگاہوں میں سرورِ ہستی
ہائے کیا چیز بیانِ رسن و دار بھی ہے

ظرف کو دیکھ کے توفیقِ عمل ہوگی عطا
دستِ ساقی میں صراحی بھی ہے تلوار بھی ہے

اپنی اپنی روشِ فکر و نظر ہے کوثر
زندگی چشمۂ رحمت بھی ہے آزار بھی ہے

غزل

اس بزمِ تمنّا سے گراں بار گئے ہم
آئے تھے گنہگار گنہ گار گئے ہم

گوہر تھے بہر گوشۂ بازار گئے ہم
تُلتے ہوئے تا چشمِ خریدار گئے ہم

نظریں وہ قیامت تھیں پسِ ترکِ محبت
جیتی ہوئی بازی تھی مگر ہار گئے ہم

جنت کی ہوس دل میں صنم خانہ نظر میں
زمزم پہ بہ ایں شورشِ بسیار گئے ہم

پیغامِ حقیقت ہی خود افسانہ طلب تھا
اف کر نہ سکے تا رسن و دار گئے ہم

گزرے جو کبھی آہ بلب ہو کے ادھر سے
مہکا کے ترا سایۂ دیوار گئے ہم

دیکھی نہ تھی اس نقشِ کفِ پا کی بہاریں
سیرِ گل و گلزار کو بے کار گئے ہم

کوثر یوں ہی مستانہ چمن زارِ غزل تک
چھلکاتے ہوئے بادۂ اسرار گئے ہم

غزل

فتنے جگا چکے ہیں وہ اس ادا سے پہلے
کچھ رنگ اور بھی تھے رنگِ حیا سے پہلے

کرتے نہ تم اشارہ کھلتا نہ راز دل کا
خوشبو کہیں اڑی ہے موجِ ہوا سے پہلے

توفیقِ ہوش دیدے کہنا ہے یہ خدا سے
ڈر ہے وہ آ نہ جائیں میری دعا سے پہلے

قسمت دلوں کی جاگی ہنگامۂ ستم سے
ذکرِ وفا کہاں تھا اس بے وفا سے پہلے

قدرت پہ آئینہ تھی وسعت نمودِ غم کی
تعمیرِ دل ہوئی ہے ارض و سماں سے پہلے

آکر ہوس نے لوٹا بت خانہ زندگی کا
دنیا بہت حسین تھی فکرِ بقا سے پہلے

میرا شبابِ مستی دیکھا ہے میکشوں نے
موسم بدل دیا ہے میں نے گھٹا سے پہلے

تاثیر چھین لی ہے غم سے ستم گروں نے
آئینے ٹوٹتے تھے دل کی صدا سے پہلے

غزل

نظر کہئے جسے گردِ سفر ہے
محبت کیا ہے ان کی رہ گزر ہے

امیدوں میں گھری ہے زندگانی
یہ زنداں آہ بے دیوار و در ہے

غزل ہے اہتمامِ پردہ داری
تخیل ان کے ملنے کی سحر ہے

کبھی محسوس یہ ہوتا ہے مجھ کو
قفس جیسے گناہِ بال و پر ہے

جدائی پرسشِ پیہم ہے ان کی
قیامت التفاتِ مختصر ہے

کمی کیوں ہو کبھی رنگِ چمن میں
بہت ارزاں مرا خونِ جگر ہے

خدا بھی ہو گیا بے پردہ آخر
یہ کافر دل بڑا آئینہ گر ہے

کہاں ٹھہرے ہیں جا کر پائے کوثر
ادھر مے خانہ ہے جنت ادھر ہے

غزل

اشک جو آنکھوں سے باہر نکلا
الم و غم کا پیمبر نکلا

رخِ رنگین عرق ناک میں گم
اجتماعِ گل و گوہر نکلا

ہے نسب نامۂ ایجاد عجب
خالقِ آئینہ پتھر نکلا

اس کے دامانِ نظر تک پہنچا
شعر قسمت کا سکندر نکلا

میں گرا بابِ خود آگاہی پر
خیر سے وہ بھی ترا در نکلا

زمزمہ نور کا تھا وہ بھی لیے
چاند ہم سایۂ کوثر نکلا

اس کو پڑھتے رہے ارباب نظر
برگِ گل حسن کا دفتر نکلا

حرم و دیر سے ناکام آئے
کوچۂ دل میں ترا گھر نکلا

عمر اسکے ہی تحفظ میں کٹی
درد سرمایۂ کوثر نکلا

غزل

کرتے ہیں وہی لوگ جہاں تازہ تر آباد
ہر دور میں رکھتے ہیں جو سینہ شرر آباد

پر شور گلستاں ہیں نہ اب دشت و در آباد
کیا جانے کہاں ہو گئے اہلِ نظر آباد

تشکیک کی دنیا میں ہے ذہنِ بشر آباد
سجدوں سے نہیں آج کوئی سنگِ در آباد

ٹھہراؤ کسی شے کے مقدر میں نہیں ہے
دنیا ہے وہ جادہ جسے کہئے سفر آباد

خوابوں کے صنم خانے سلامت ہیں تو یونہی
فتنوں سے رہے گا خمِ زلف و کمر آباد

ہمسایگی و ربط کی خوشبو بھی کہیں ہے
کرتی ہیں بہاریں تو نگر پر نگر آباد

بجلی ہی سے ویراں ہوئے شاداب مناظر
بجلی ہی کی لہروں سے ہے دریا کا گھر آباد

نغموں سے جہاں روشنیِ درد تھی کل تک
سناٹے سے ہے آج وہ شاخِ شجر آباد

کوثر ہے سخن تاب مرا شہرِ تخیل
اس شہر میں ہیں آج بھی آئینہ گر آباد

غزل

کتابِ زندگی کی جدولوں میں رنگ ہم سے ہے
صحیفہ آرزو کا سر بسر ارژنگ ہم سے ہے

دلِ شبنم پہ رکھا ہے ہمیں نے دستِ غم خواری
دروں بینی حریفِ افسر و اورنگ ہم سے ہے

ہمارے حوصلوں سے نور لے لے گلستاں جب تک
سحر کا قافلہ پیچھے کسی فرسنگ ہم سے ہے

الجھتا ہے بظاہر ہر چمن سے ہر خرابے سے
مگر در پردہ طوفانِ بلا کی جنگ ہم سے ہے

تصادم کی بھی جرأت ٹوٹنے کی بھی ہمیں ہمت
وقارِ شیشہ ہم سے ہے عیارِ سنگ ہم سے ہے

خزاں میں بھی رہا کوثر شگفتہ حوصلہ اپنا
بہارِ نغمہ سازِ درد کا آہنگ ہم سے ہے

غزل

ٹوٹے جو طلسم چار سو کا
عالم ہے وسیع جستجو کا

قطرہ جو مژہ پہ ہے لہو کا
گل ہے مری شمعِ آرزو کا

فطرت کی ہے گدگدی سے پیہم
سودا ہے اشجار کو نمو کا

ہر شعرِ غزل ہے اک اشارہ
محور نہیں شرحِ مو بہ مو کا

رشتہ ٹوٹے جو اس نظر سے
کھل جائے بھرم مے و سبو کا

طرفہ ہے طلسم شہرِ تخئیل
منظر ہے عجیب کاخ و کو کا

بدظن ہے مرا ضمیر مجھ سے
ہر وقت ہے سامنا عدو کا

لالہ کہاں مرے دشتِ غم میں
دھبا ہوگا کوئی لہو کا

کوثر مہکے خیال کیوں کر
موسم نہ رہا وہ آرزو کا

نظم

اے لکھنو اے مرکز دنیائے فصاحت
اے لکھنو اے منزل سلمائے فصاحت
اٹھا ہے تری خاک سے دانائے فصاحت
ساتھ اپنے لیے جلوۂ لیلائے فصاحت
دہلی بھی تری سمت بہ حیرت نگراں ہے
گفتارِ انیسؔ آئنۂ حسنِ بیاں ہے

یکتائے زمانہ ہے وہ نقاشِ مناظر
ایسا ہے کہاں فطرتِ انساں کا مصور
قدرت کی زباں شرحِ خیالات پہ قادر
عکاسیِ احساس میں وہ اول و آخر
دیکھے کوئی کس اوج پہ رعنائیِ فن ہے
زینت دہِ مسند وہ سرِ چرخِ سخن ہے

لفظوں کی کمانوں میں معانی کے حسیں تیر
دل آج بھی فرّاک نگارش میں ہیں نخچیر
جملوں کی روانی پہ فدا تیزیِ شمشیر
سلطانیِ فن اس کی جہاں ساز و جہانگیر
گزرا ہے کلیمانہ وہ سینائے سخن سے
تائید ہوئی ہے یہ لبِ گنگ و جمن سے

نظم

اٹھاؤ ساز محبت کا نغمہ عام کرو
اٹھو اشارۂ فطرت کا احترام کرو
انوکھے جشنِ مسرت کا اہتمام کرو
بدل دو وقت کو قائم نیا نظام کرو
قدم قدم پہ پیامِ حیات دیتے چلو
زمیں کو حسن، خوشی کو ثبات دیتے چلو
سروں سے وہم کا جادو اتار دو آؤ
یقیں کا چاند افق پر ابھار دو آؤ
دلوں کو مژدۂ صبر و قرار دو آؤ
ہر ایک دشت کو رنگِ بہار دو آؤ
قدم قدم پہ پیامِ حیات دیتے چلو
زمیں کو حسن، خوشی کو ثبات دیتے چلو

جو چاہتے ہو کہ دور آئے امن و راحت کا
تو پھر مٹا دو نشاں جھوٹ کا عداوت کا
طلسم توڑ دو تہذیب کش سیاست کا
کرو بلند یہاں پرچم آدمیت کا
قدم قدم پہ پیامِ حیات دیتے چلو
زمیں کو حسن ، خوشی کو ثبات دیتے چلو

گھری ہے جبر کی ظلمت میں نسلِ انسانی
بڑھی ہی جاتی ہے اہلِ خرد کی حیرانی
جدھر بھی دیکھو ہے افلاس کی فراوانی
مٹا دو دہر سے ہر فتنۂ جہاں بانی
قدم قدم پہ پیامِ حیات دیتے چلو
زمیں کو حسن ، خوشی کو ثبات دیتے چلو

شخصی مرثیہ

بتاریخ: ۷؍نومبر ۱۹۹۲ء

وہی ہے بزم مگر مصطفےٰ حسین کہاں
وہی فضا ہے مگر ضوفشاں کہاں نیّرؔ

بنامِ حضرتِ اقبالؔ پہ کتب خانہ
بتا رہا ہے کہ تھے کیسے نکتہ داں نیّرؔ

ہر ایک پھول لیے ہے بہارِ مستقبل
سجا گئے ہیں عجب باغِ جاوداں نیّرؔ

نہیں تھی ان کی مروت کی انتہا کوئی
خلوص و مہر کے تھے بحر بیکراں نیّرؔ

نگاہ ان کی تھی ہر امتیاز سے بالا
تمام اہلِ وطن کے تھے ترجمان نیّرؔ

انھیں بزرگوں کی تہذیب کا نشاں کہیے
کہ تھے شرافتِ ماضی کے پاسباں نیّرؔ

کبھی وہ ایک مقرر کے روپ میں ابھرے
کبھی تھے شاعرِ بے باک و خوش بیاں نیّر

انھیں ہلا نہ سکیں آندھیاں سیاست کی
تھے مثلِ کوہ یہ ہر دورِ امتحاں نیّر

غرض یگانہ و ہمدرد ملک و ملت تھے
بقائے چرخ پہ خورشیدِ آدمیت تھے

نوٹ: مصطفےٰ حسین نیر ایک بہترین وکیل،شاعر،ادب دوست اور سیاست داں تھے۔ان کی کوششوں سے کانپور کی مشہور لائبریری جس کا نام ''اقبال لائبریری'' کا قیام عمل میں آیا۔یہ لائبریری آج بھی موجود ہے مگر ان کا سا جوش اور ولولہ اردو ادب کے لیے ان کے صاحب زادوں میں نہیں ہے۔نیر صاحب نے اقبال لائبریری میں بڑے معرکتہ الآرا مشاعرے منعقد کیے۔شاید ہی ان کے دور کا کوئی شاعر ہو جو اس مشاعرے میں نہ شریک ہوا ہو۔ان کے بڑے صاحب زادے ظفر مصطفےٰ نیر بھی مشہور وکیل ہیں۔مایاوتی کے دورِ اقتدار میں وہ اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

شخصی مرثیہ

(الحاج علامہ حق بنارسی کی یاد میں)

''رحمت کی پا گئے ہیں کرن حق بنارسی''

افسوس اب وہ سازِ ادب ہو گیا خموش
رکھتے تھے خاص طرزِ سخن ''حق بنارسی''

رغبت تھی صلحِ کُل سے انھیں ہر محاذ پر
تھے حاملِ شعار حسن ''حق بنارسی''

کھلتے تھے جس میں قربت و انسانیت کے پھول
ساتھ اپنے لے گئے وہ چمن ''حق بنارسی''

مدّاحِ مصطفےٰؐ تھے وہ کہتا ہے دل مرا
پائیں گے رحمتوں کی کرن ''حق بنارسی''

نوٹ:''حق بنارسی'' بڑے پایہ کے شاعر تھے۔ان کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد اب بھی آل انڈیا مشاعروں میں کامیابی کی منزلوں کو چھو رہی ہے۔جن میں مولانا قاسم حبیبی برکاتی، جوہر کانپوری، جمیل خیر آبادی، ترنم کانپوری اہم ہیں۔یادوارثی بھی ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

شخصی مرثیہ

انتقال حضرت فنا نظامیؔ ۱۸/ جولائی ۱۹۸۸ء

دنیا سے فناؔ اٹھے صد افسوس
ہر لب پہ ہے ان کا نام نامی

ان کا تھا وقار اہلِ دل میں
دنیائے سخن میں تھے گرامی

یاد آتی رہے گی مخلصوں کو
وہ زندہ دِلی وہ خوش کلامی

زندانِ آب و گِل سے چھوٹے
تسکین انھیں ملی دوامی

تاریخِ وفات لکھیے کوثرؔ
''مقبول زماں فناؔ نظامی''

نذرانۂ خلوص

بتاریخ: ۱۷/ مارچ ۱۹۸۵ء بخدمت جناب۔ ویریندر ناتھ دکشتؔ صاحب (ایم۔ایل۔اے)

بہت حسین تھا یہ انتظار دکشتؔ جی
تم آگئے ہو مثالِ بہار دکشتؔ جی

کھلے ہوئے ہیں ہر اک سمت پھول ارماں کے
چمن پہ آج بہت ہے نکھار دکشتؔ جی

خدا کی دین الکشن کی کامیابی ہے
مقامِ شکر ہے یہ اقتدار دکشتؔ جی

تمام اہلِ محلّہ خوشی میں ڈوبے ہیں
تمہاری جیت کی ہے یہ بہار دکشتؔ جی

تمہارے کاموں سے اونچا ہو نام بھارت کا
ہر ایک دل کی یہی ہے پکار دکشتؔ جی

تمہاری راہ میں آنکھیں بچھائے یہ سنسار
تمہیں نصیب ہو جنتا کا پیار دکشتؔ جی

تمہارا نقشِ محبت دلوں پہ جم جائے
بنا دو اپنا عمل یادگار دکشتؔ جی

سمے کٹھن ہے ضرورت ہے اب کے ہم چونکیں
پکارتا ہے سماجی سدھار دکشتؔ جی

یقیں ہے مشکلیں کم ہوں گی اب ہماری بھی
ملا ہے تم سا ہمیں غم گسار دکشتؔ جی

تمہارے واسطے خورد و بزرگ جو ہیں یہاں
لیے ہیں اپنی دعاؤں کے ہار دکشتؔ جی

بصد خلوص سجائے ہیں ڈاکٹر اقبالؔ
یہ جلسہ کیوں نہ ہو پھر کامگار دکشتؔ جی

تمہارے نام سے کوثرؔ نے شعر لکھے ہیں
تو لفظ لفظ میں ہے اک ابھار دکشتؔ جی

رخصتی کا پیغام

(بیٹی بہار فاطمہ کے لیے)

یہ بات عام ہے کچھ خاص تو نہیں بیٹی
زمانہ دیتا ہے سیم و طلا جہیز کے ساتھ

بہارؔ! اور میں کیا وقت رخصتی دیتا
میں دے رہا ہوں فقط اک دعا جہیز کے ساتھ

جو اس کی شان کے شایاں تھی چیز وہ بخشی
سکونِ دل تجھے حق میں دیا جہیز کے ساتھ

بہاروں کا قافلہ

بہ تقریب شادی خانہ آبادی نورِ چشم ''محمد سلمان اختر''، سلمہٗ نتیجۂ فکر: استاذ الشعراء حضرت کوثر جائسی صاحب

بتاریخ ۱۵/ مارچ ۱۹۹۰ء

نظر کو حسن کے منظر سلام کہتے ہیں
لبوں کو شوق کے ساغر سلام کہتے ہیں
دلوں کو ناز کے پیکر سلام کہتے ہیں
زمین کو مہ و اختر سلام کہتے ہیں
زمانہ دیکھنے آیا ہے جشنِ نورانی
فضا پہ چھائی ہوئی ہے بہارِ ایمانی

خدائے پاک کے احسان کا اثر ہے عیاں
ضیائے حسن نبیؐ ہے گلوں میں خلد نشاں
عطائے غوث کا خواجہ کے لطف کا ہے سماں
جمالِ فیض ہے مفتی رجب علی کا یہاں
خوشا کہ مرکزِ رحمت ہے محفلِ شادی
مقامِ شکر عنایت ہے محفلِ شادی

ہے سہرے میں رخِ سلمانؔ اختر آج کے دن
کھلا ہے دادی کا ماں کا مقدر آج کے دن
ہیں نورؔ قادری خوشیوں کا پیکر آج کے دن
جناں سے دیکھتے ہیں جشن مظہرؔ آج کے دن
ہوئے ہیں عبدِحیٔ شاد خود رؤفؔ و حنیفؔ
حسیں ہے بزم جو ایوبؔ کے ہیں طور شریف

عیاں سرورِ انیسؔ و نشاطِ جعفرؔ ہے
دعا کے واسطے جُنباں لبِ مظفرؔ ہے
بہ قربِ خاصِ منوّرؔ فضا منور ہے
عتیقؔ کے لیے دل کش یہاں کا منظر ہے
دعائیں دیتے ہوئے زینؔ العابدین آئے
امیرؔ ہمت اجالوں کا قافلہ لائے

ہیں اظہرؔ اور کہیں عارفینؔ گل افشاں
شعیبؔ و عشرتؔ و اکبرؔ کے ولولے ہیں جواں
نگاہِ یوسفؔ و قاسمؔ سے مستیاں ہیں عیاں
ہیں مست انورؔ و خالدؔ قمر ہیں وجد کناں
مسرتوں کی تجلی سے بزم روشن ہے
بھرا خوشی کے ستاروں سے گھر کا آنگن ہے

سجی ہے محفلِ شادی وفا کے سائے میں
حیات جھومی کرم کی گھٹا کے سائے میں
ہے آرزو کا گلستاں دعا کے سائے میں
ہر ایک گوشہ ہے لطفِ خدا کے سائے میں
دعا ہے رشتہ نو یہ دلوں کو راس آئے
نصیب دولھا دلھن کی خوشی کو چمکائے

نور بار دعا

بہ تقریب عقد و رخصتی نورِ چشمی ''یاسمین حنیف'' سلمہا نتیجۂ فکر: حضرت کوثرؔ جائسی صاحب

ابھر رہے ہیں تصور میں لاکھ رنگ محل
مچل رہے ہیں فضاؤں میں خواب کے بادل

دل و نظر کے لیے ہیں سرور کے جھولے
کرم کی شاخ میں جُنباں ہیں نور کے جھولے

یہ رقصِ شوق کی رت التفات کا موسم
طلوعِ مستی و جوشِ حیات کا موسم

مگر فسوں گرِ قسمت کی بات کیا کہیے!
عجیب موڑ پہ ہیں واقعات کیا کہیے!

مئے طرب میں طراوت بھی ہے جلن بھی ہے!
دلوں میں کیف مسرت بھی ہے چبھن بھی ہے

یہ رخصتی ہے تری یاسمیںؔ عجب عالم
عیاں ہوا ہے یہاں منظرِ گل و شبنم

پیامِ نو ہے محمد حنیفؔ خاں کے لیے
اٹھے ہیں فرض ادائی کے امتحان کے لیے

دعا بلب ہیں محمد حسیبؔ خاں اچھنؔ
ادائے شکر میں مصروف ہیں چچا نبنؔ

لیے ہیں نور محبت کا چہرۂ تنویرؔ
جبیں پہ ان کی شکن بن گئی وفا کی لکیر

انساں

(رباعی کے وزن)

آفاق میں کیوں بھٹک رہا ہے انساں
حیرت سے فلک کو تک رہا ہے انساں

کس رخ سے بلا رہی ہے تقدیرِ وجود
منزل منزل بھٹک رہا ہے انساں

کہنے کو وجودِ مختصر ہے انساں
لیکن سلطان بحر و بر ہے انساں

بزمِ مہ و مہر کیا جو ہو نورِ یقین
اللہ سے بھی قریب تر ہے انساں

افلاک کی آرزو ہے انساں کا وجود
ہنگامۂ رنگ و بو ہے انساں کا وجود

خود سازِ مشیت سے صدا آتی ہے
تخلیق کی آبرو ہے انساں کا وجود

قطعۂ تاریخ وصال

جناب ماسٹر مسرّت مرحوم و مغفور یکم محرم الحرام ۱۳۸۳ھ، مطابق ۱۹۶۳ء

شمعِ عرفاں نظامی ادب گاہ کی
پردۂ خاک میں بھی ہے جلوہ فگن

رنگِ حسرت لیے شانِ مستی لیے
ذرہ ذرہ ہوا ہے یہاں نغمہ زن

کس قدر تھا وصالِ مسرت اہم
نقشِ حیرت ہوئی عشق کی انجمن

نسبتِ خاص صوفیؒ کی اللہ رے ضو
فکرِ تاریخ سے جگمگایا سخن

خود بہارِ کرم نے یہ مصرع دیا
''خواب گاہِ مسرت ہے رشکِ چمن''

گلہائے عقیدت

بارگاہ تقدس حضرت شاہ ہدایت علی

وہ پیکرِ صفات اٹھا بزمِ دہر سے
قائم تھا جس سے حلقۂ عشّاق کا نظام

مشغولِ یادِ ساقیِ کوثر میں روز و شب
مستِ مئے نیاز بہ میخانۂ دوام

مسند نشیں وہ انجمنِ سوز و ساز میں
گلزارِ ارتقاء و سعادت میں خوش خرام

ذکرِ نبیؐ میں محو تھا جس کا نفس نفس
لب پر ہر ایک لمحہ تھا اللہ کا کلام

چہرے سے جس کے نور ولایت کا آشکار
لوحِ جبیں سجود کی ضو سے مہِ تمام

عاجز نہ کر سکا اسے پیری کا دور بھی
تھی ہمتِ جواں رہِ طاعت میں تیز گام

دیکھے کوئی صحیفۂ شوق و نیاز میں
تابندہ تر ہے شاہ ہدایتؔ علیؒ کا نام

رباعیات

بیدار فلک سے بات ہم نے کی
تردیدِ توہمات ہم نے کی
ہنگامۂ آرزو کے خالق ہم ہیں
تخلیقِ غمِ حیات ہم نے کی

گلزارِ حیات کی بہاروں کو نہ بیچ
آ ہوش میں غم کے شاہکاروں کو نہ بیچ
پرسش پہ کسی کی کھل کے رونا کیسا
اے دشمنِ راز چاند تاروں کو نہ بیچ

آنکھوں میں جہانِ کیفِ رعنائی ہے
مستی ہے کہ دردِ دل کی انگڑائی ہے
احساس پہ بھی ہے یہ حقیقت اک راز
نیند آئی ہے یا کسی کی یاد آئی ہے

انجامِ ہوس پہ کم نظر شرمائے
ایجاد کی آڑ لی مگر شرمائے
تسخیرِ محبت کی ادا جب دیکھی
تلوار بنا کے بے ہنر شرمائے

بے جان عمل ہے اور قوی ہے گفتار
اس دور میں سب کا موسمی ہے کردار
تہذیب کے سائباں کے نیچے ہوں مگر
آتی ہے کبھی کبھی لہو کی بوچھار

پرّاں ہیں خیالات جو غم کا وفور
نسیاں کی فضا میں ہو رہے ہیں مستور
جیسے کہیں سر چھپانے کو خوف سے دور
پر مارتے جا رہے ہیں مجروح طیور

دل میں کسی پھانس کی کھٹک ملتی ہے
بھولے ہوئے خواب کی جھلک ملتی ہے
حالات کی سخت تہہ میں ہے ذہن مگر
یادوں کے گزرنے کی دھمک ملتی ہے

خاموش فضا میں کس قدر ہیں پیغام
الفاظ سے بنتا نہیں جن کا کوئی نام
سوچو تو ہے شش جہت میں کس درجہ تھکن
ملت سے کھڑے ہیں آسمانوں کے خیام

ہر طرزِ ادا لیے ہوئے ہے سو روپ
ایجادِ سخن بھی ایک بستی ہے انوپ
چمکاتی ہے سبزہ زارِ مستقبل کو
ہلکی ہلکی مرے خیالات کی دھوپ

غیرت کی ادا سے جینے والے کم ہیں
ہمت والے قرینے والے کم ہیں
میخانۂ وقت کب نہیں فیض رساں
بادہ تو بہت ہے پینے والے کم ہیں

ہو سب پہ جو غالب بھی بڑی بات نہیں
تحصیلِ مراتب بھی بڑی بات نہیں
دنیا میں نہ ہو امن کا سامان تو ہیچ
تسخیرِ کواکب بھی بڑی بات نہیں

نظروں کو چمنِ رنگ بنا کر نکلے
فیض ان کی صباحت سے اٹھا کر نکلے
پایا جو انھیں بزمِ تصور میں کبھی
ہم نورِ تبسم میں نہا کر نکلے

بادل ہے تمناؤں کا گہرا گہرا
انفاس کا ہر تار ہے مہکا مہکا
رنگوں کے دریچوں میں نظر کھوئی ہے
جنت ہے تری یاد کا لمحہ لمحہ

تم رات کو دن دن کو مرے رات کرو
ممکن ہو تو تکمیلِ عنایات کرو
ہر قیدِ تعین سے ہوا ہوں آزاد
جس راہ میں اب چاہو ملاقات کرو

''عمرِ رواں''

طفلی کو جوانی سے ملایا تونے
تا وسعتِ خیر و شر پھرایا تونے
رکھا مرے سر پہ بارِ خوف محشر
اے عمرِ رواں بہت تھکایا تونے

قطعات

سب سے مل جل کے رہو باعثِ عزت ہے بس
ایکتا کا یہ چلن بھول نہ جاؤ لوگو
رہنماؤں کا یہی قول ہے ہر ملّت میں
دیکھنا شانِ وطن بھول نہ جاؤ لوگو

کیا عہد تھا وہ سایۂ گیسوئے یار کا
برسوں وہاں رہا ہوں جہاں آسماں نہ تھا
میں بھی پہنچ گیا تھا سر عرش بیخودگی
اس انجمن میں ذکر زماں و مکاں نہ تھا

حادثے ذہن میں رکھنا یہ مثالوں کے لیے
خون انساں کا بہایا ہے شوالوں کے لیے
زندگی کون سی منزل پہ رکی ہے کہ جہاں
چشم امید ترستی ہے اجالوں کے لیے

میں اکیلا خطا وار تھا
ساری بستی جلا دی گئی
حق پسندی مرا جرم تھا
مجھ کو اس کی سزا دی گئی

کلام فارسی

غزل

بہ ایں جشنِ عروسی چو ''علی گل'' را عیاں بینم
بہار باغ کابُل را سرِ ہندوستاں بینم

مقدر ساختہ نوشاہ او را در گلستانے
علی گل خان را ہر سمت چوں سرو رواں بینم

بہ عقدِ دخترِ احمد سلیم آمد بہارِ نو
خوشا آرائشِ محفل زمیں را آسماں بینم

مگر تارِ نگاہِ حسن با شد جلوہ گر آں سو
کشیدہ ہر فضائے عیش خطِّ کہکشاں بینم

دلیلِ جذبِ شوقِ خان و اہلِ خانہ ایں کوثر
بہ ہر جانب بہ ہر گوشہ ہجومِ مخلصاں بینم

غزل

موج شمیم چوں شود از گل و نسترن جدا
جوشِ نمود ، جلوہ را کرد ز پیرہن جدا

پیش ازیں مرا کہ دید از صفِ اہلِ فن جدا
رنجِ مآل عرضِ فن کرد ز انجمن جدا

بود ہزار بے ستوں در رہِ جانِ عاشقاں
تیشۂ غم نہ شد ہنوز از کفِ کوہکن جدا

دستِ خرد چوسنگ زد آئنۂ یقیں شکست
حیف کہ بہرِ دید غیر شد تو ز خویشتن جدا

باغِ وجود یافتہ رنگ و نم از بہارِ عشق
عشق ، ازو چوں رم کُند روح شود زتن جدا

کوثرِ دلِ شکستہ را دادِ فضائے بیخودی
داورِ غمِ برائے او ساختہ انجمن جدا

ہدیۂ تہنیت

(عالیجناب کے۔ کے بخشی سابق ڈی۔ایم)

خزاں زدہ چمنِ کانپور یکسر بود
خوشا کہ آمدہ ہمچو بہارِ جاں بخشی

بفیض عزم جوان و بہ شان سیل رواں
گذشتِ سہل تر از راہِ امتحاں بخشی

قدم نہاد بد یںساں بہ راہِ کہ دارے
کہ کرد سطح زمیں را ہم آسماں بخشی

گمانِ مہر دریں دور قحط انسان است
فرو تن است بہ ایں منصبِ گراں بخشی

نقوشِ منتخبِ فارسی چو یکجا کرد
کشید عطر کلامِ سخنوراں بخشی

ازیں خبر بہ تحیر ز جائے برجستم
چہ شد کہ عزمِ سفر کرد ناگہاں بخشی

بہارِ عمر صلا زد ذشاخسارِ عروج
برفت زود پئے نظم گلستاں بخشی

نشید فال خوش است ایں برائے راہرواں
کہ ہست قافلہ را میر کارواں بخشی

کتاب دانش و تدبیر طرفہ تزئیں یافت
مسودہ برورقش نقش جاوداں بخشی

پیام تازۂ نقل مکاں خجستہ بود
قدم زن است بہ راہ قمر نشاں بخشی

زِ عرض قصّہ دل محترز مشو کوثر
بگو کہ ہست سخن فہم و نکتہ داں بخشی

متفرق اشعار

اک نہ اک روز تمہیں ہم سے خفا ہونا ہے
ہم سمجھتے ہیں جو انجام وفا ہونا ہے

اِس دل سے محبت کا اثر کیوں نہیں جاتا
شیرازۂ امید بکھر کیوں نہیں جاتا

یہ کرشمہ تری آمد کا پتہ دیتا ہے
یک بہ یک درد کا اٹھنا کبھی کم ہو جانا

چاروں طرف دھواں دھواں صحن چمن میں سرخیاں
کیسے عجیب رنگ تھے اب کے برس بہار میں

سورج کچھ اس طرح سے رہا میرے ساتھ ساتھ
مجھ کو کسی مقام پہ سایا نہیں ملا

غم اٹھا کر بھی لوگ زندہ ہیں
خوش رہے تم تو کیا کمال ہوا

ہر نظر پر ایک حشرِ بیخودگی برپا ہوا
کتنے پردے پڑ گئے جب حسن بے پردہ ہوا

لطفِ ساقی عام تھا میخانۂ تخلیق میں
ظرف یہ اپنا کوئی ساغر کوئی صہبا ہوا

جا رہا تھا جادۂ ہستی سے میں بھٹکا ہوا
ناگہاں اک موجِ غم اٹھی خضر پیدا ہوا

ہیں شورِ حق سے بھرے مرے کان پہلے ہی
سنی ہے گود میں ماں کی اذان پہلے ہی

تھی بند مری زبان پہلے ہی
حیرت ہوئی ترجمان پہلے ہی

کیا ڈالوں کمند شاخِ کن پر
اڑ جائیں گے آسمان پہلے ہی

یہ دورِ تمنا بھی کیا دورِ تمنا ہے
اڈی ہوئی آندھی ہے چڑھتا ہوا دریا ہے

ادا شناس کرم ہی نہیں کوئی ورنہ
طلب جو کیجئے ذرہ ستارہ ملتا ہے

سکوں ملنے لگا تنہائیوں میں
نظر اتری ہے اب گہرائیوں میں

نغمۂ دل وقفِ صد آزار ہے تیرے بغیر
عاشقی کا ساز بھی بیکار ہے تیرے بغیر

لوگ دیوانہ کہیں کافر کہیں کچھ بھی کہیں
مجھ کو ہر الزام کا اقرار ہے تیرے بغیر

دیدۂ حسرت جدھر دیکھا کیے دیکھا کیے
یعنی ہر مجبور اب مختار ہے تیرے بغیر

وہ پوچھیں کبھی غموں کا سبب خدا نہ کرے
فسانے بنائے جنبش لب خدا نہ کرے

نیاز بنے مقامِ غضب خدا نہ کرے
مجھے ہو خیال ترکِ ادب خدا نہ کرے

یہ جہاں تھا شعبدہ گہ وہم کی تحریر کا
رنگ اب اڑنے لگا اس خواب کی تصویر کا

میری غیرت سے تصادم گردشِ تقدیر کا
پے بہ پے ٹکراؤ ہے شمشیر سے شمشیر کا

میں رہا ہونے کو ہوں چھٹتا ہے اک مدت کا ساتھ
دیدۂ تر ہے ہر اک حلقہ میری زنجیر کا

حاصل ہوئی آگاہی عشرت گہہِ باطل سے
ہم شمع اٹھا لائے سوئی ہوئی محفل سے

آدمی جیسے کہ مجبور ہے جیتا کیا ہے
لاج رکھ لی ہے نظر کی تجھے دیکھا کیا ہے

حسن بے پردہ کا بھر پور نظارہ ہے محال
مجھ سے پوچھے کوئی ہنگامۂ دنیا کیا ہے

اگر ہماری غزل کا ہو تجزیہ کوثر
تو کیا صحیفۂ فطرت کا اقتباس نہیں

لگ ہی جائے گا تقیناً مرے قاتل کا سراغ
لے کے نکلے گی ہر اک بوند ہتھیلی پہ چراغ

نظریں جو بہکتی تھیں لہراتے تھے پردے بھی
کس حسنِ توازن سے تھی جلوہ گری پہلے

آمد کبھی ہوتی ہے جب فصلِ محبت کی
آثار بتاتی ہے آنکھوں کی تری پہلے

کچھ اور ہو نہ سکا ان کی آرزو کے سوا
ہمارے پاس ہے کیا غم کی آبرو کے سوا

ترا نشاں ترے جلوے بتاتے ہیں ورنہ
نگاہ کیا ہے پر و بالِ جستجو کے سوا

قسمت دلوں کی جاگی ہنگامۂ ستم سے
ذکرِ وفا کہاں تھا اس بے وفا سے پہلے

(غیرمنقوط)

دور ہر وہم ہر ملال ہوا
درد دل کا کرم مآل ہوا

خطوط

نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کا وہ خط جس میں عروض پر، رسالہ ''نگار'' میں بحث کے تعلق سے بات کی گئی ہے

نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کا کوثر جائسی کو لکھا گیا دوسرا خط ہے
جس میں، رسالہ ''نگار'' میں عروضی نکات پر بحث ہوئی تھی

ڈاکٹر عشرت حسین کا خط، جس میں وہ اپنے ڈلٹ کے موضوع پر کوثرؔ جائسی سے تعاون کی درخواست کرتے ہیں ۱۲/

یہ، شری بھگوان سروپ بھٹناگر علام سحرؔ عشق آبادی کے شاگرد، تنویر چشتی کا خط ہے

فروری ۱۹۴۹ء

مکرمی بھائی عبدالحمید صاحب

السّلام علیکم گذارش خدمت آں کہ ایک بہت بڑا مشاعرہ ۱۷؍فروری ۱۹۴۹ء کو ہونے والا ہے۔ اس لیے استدعا ہے کہ میرے لیے کم از کم پانچ اشعار روانہ کر دیجیے۔ عین نوازش ہوگی چونکہ یہاں کے اہل تشیع کی ذہنیت کا آپ کو علم ہے۔ اس لیے آپ کو مجبوراً تکلیف دینا پڑا۔ امید ہے کہ کوئی خیال نہ فرماتے ہوئے بندہ ناچیز کے لیے ۶/۵ اشعار ضرور روانہ کریں گے۔ میں منتظر رہوں گا۔ فقط والسّلام بچوں کو دعا۔

نیازمند

رشید احمد

محلّہ چودھرانہ، قصبہ جائس

ضلع رائے بریلی

وقار علی نقوی

پتھر کی حویلی۔ جائس

مورخہ: یکشنبہ، ۱۴؍جنوری ۱۹۵۰ء

حمید بھائی۔ السّلام علیکم

امید ہے کہ سب لوگ خیریت سے ہوں گے۔

میرا کانپور اکثر جانا ہوا مگر ملاقات نہیں ہو سکی۔ اکثر لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بہت دور مکان ہے۔ کوئی ساتھی نہ ملا جس کے ذریعے مکان تک پہنچ سکتا۔ شاید فروری مہینے میں ملاقات ہو سکے۔ انشاءاللہ ۲۴؍جنوری ۱۹۵۱ء کو محترم دادا وافر حسین صاحب قبلہ کی بارات ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اس موقع پر کوئی سہرہ یا کوئی نظم پڑھوں۔ انجمن حسینی والوں کی جب شادی ہوا کرتی تھی تو چچا سمی حیدر صاحب مرحوم سہرہ کہتے تھے اور پڑھا جاتا تھا۔ دادا وافر حسین صاحب میرے خاص عزیزوں میں ہیں۔ اور موصوف کے خاص تعلقات ہمارے گھر والوں کے ساتھ ہمیشہ رہے۔ جوابی کارڈ ارسال ہے۔ اگر موقع اور فرصت ہو تو چند اشعار سہرہ کے یا نظم کی صورت میں کہہ کر مجھے قبل از تاریخ بھیج دیجئے۔ تاکہ میں اس موقع پر پڑھ کر اپنی دلی مسرت کا اظہار اس صورت سے بھی کر سکوں انشاءاللہ۔ آپ سے ایک عرصے سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ یہاں روزانہ دونوں چچا جان اور نانا صاحب سے برابر ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آپ لوگوں اور عزیز کی خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ احمد چچا کہتے ہیں کہ آج خط روانہ نہ کیا جا سکا۔ انشاءاللہ کل روانہ کیا جائے گا۔ گھر میں سب کی طرف سے محمد کمال سلمہ اور محمد ضمیر عالم سلمہ نیز سب لوگوں کو دعائیں کہئے گا۔ پرسوں مہدی میاں خواجگاں کا انتقال ہو گیا۔ خدا مغفرت کرے۔ آمین۔ آپ کے گھر میں نیز آپ کے تمام اعزاء بخریت ہیں۔ جائس میں پلیگ کا مرض بہت زوروں سے پھیلا ہوا ہے۔ حلیم چچا بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اب الحمدللہ اچھے ہیں۔ غفّار اور شکور کو دعائیں کہئے گا۔ باقی پرسانِ حال کو سلام، جواب کا منتظر۔ بھابھی کو تسلیم۔ بچوں کو دعائیں۔

خیر طلب

وقار علی عرف وفن جائسی

۲۴/اکتوبر ۱۹۵۸ء

عزیز مکرم ، سلام مسنون!

محبت نامہ آج جمعہ کے دن شام کی ڈاک سے وصول ہوا۔لفافہ موجود نہ تھا،محلّہ کے لیٹر بکس سے ڈاک آٹھ بجے صبح کو نکلتی ہے۔اس لیے جو موجود تھا اسی کو غنیمت جانا،مقصد عجلت سے یہ ہے کہ صبح کی ڈاک سے خط نکل جائے۔ورنہ پھر اتوار کا سامنا ہے۔بے شک جواب نہ آنے سے مجھے حیرت ضرور تھی مگر گمان تھا کہ شاید خط ہی آپ تک نہیں پہنچا۔کیونکہ آپ کے خلوص اور سعادت مندی سے بخوبی واقف ہوں اور میرا گمان صحیح نکلا۔یہ دریافت کر کے کہ آپ کی طبیعت ناساز تھی صدمہ ہوا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت کامل اور شفائے عاجل عطا فرمائے۔

اہل فن کی کس مپرسی اور فن کی کساد بازاری کا آپ نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔ایک ایک حرف صحیح ہے۔۱۹/اکتوبر کی شام کو ریلوے انسٹیٹیوٹ کی طرف سے رائے بریلی میں طرحی مشاعرہ تھا۔بنارس،الٰہ آباد،پرتاب گڑھ اور لکھنؤ سے کم وبیش ۷۰ شاعر آئے تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ صرف ایک وقت کے کھانے پر آئے تھے،کیونکہ ریلوے اسٹاف کو کرایہ دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

سرِ شام آئے رات کی دعوت کھا کر شریک مشاعرہ ہوئے۔۳ بجے رات کی ٹرین سے واپس کر دیے گئے کہ ٹھہریں گے تو صبح کو ناشتہ بھی دینا پڑے گا۔کھانے کے علاوہ پان،سگریٹ اور چائے سے بھی تواضع ہوئی یا حاضرین سے جو داد ملی ہے۔جیسے شاعر تھے ویسے ہی سامعین بھی تھے۔روڈ ویز کا اسٹاف،ریلوے کا اسٹاف،بلاک کے ملازمین، اسٹیشن کے حلوائی اور قلی وغیرہ۔جو غزل آپ نے طلب کی تھی وہ حاضر ہے۔باقی انشاءاللہ ملاقات ہونے پر باتیں ہوں گی۔آپ کی خودداری کا ذکر میں نے اِدھر اُدھر سنا ہے۔امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔

والسّلام

غزل

محنت عشّاق اے خود کام بے حاصل نہیں
تجھ کو بے پروا جو رہنے دے وہ جذبِ دل نہیں

گفتنی ہے ماجرائے غم ،مگر کس سے کہیں
آشنا دردِ محبت سے تمہارا دِل نہیں

دخل پروانوں کا کیسا اُن کی بزمِ ناز میں
شمع بھی بے اذن شاید درخورِ محفل نہیں

میرے دشمن وصل سے مایوس ہوں اے غم گسار
اس کی غفلت ہی تو کہتی ہے کہ وہ غافل نہیں

خاک تھا میں، عشق دے کر پاک مجھ کو کر دیا
دین ہے تیری ، ترا بندہ تو اس قابل نہیں

مدعائے دل کا کہنا ہی ہے ، اک امرِ محال
سر ترے قدموں پہ رکھ دینا بہت مشکل نہیں

وائے اس دانا پہ ،ناداں کو جو دے کوئی صلاح
میں ہوں دیوانہ ، تو ناصح بھی مرا عاقل نہیں

اس کے لطف عام کو غیرت نہیں کرتی قبول
اور میں کم بخت لطف خاص کے قابل نہیں

(نسخہ) ۵

جنتی حوروں سے دنیا ہی کی پریاں خوب ہیں
نازِ رعنائی بھی کچھ حوروں میں ہونا چاہیے
حسن بے آزار ذوق عشق کے قابل نہیں

۱خونِ دل کا رنگ بھر اے صدقؔ ہر اک شعر میں
۲فرد ہر مصرعہ ہو ، تنگ بندی کے ہم قائل نہیں
صدق جائسی

۵ : آپ دونوں مصرعوں میں کس کو پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہیں؟

نوٹ: صدق جائسی ،صاحبانِ کمالِ جائس میں سے تھے۔''دربارِ دربار'' ان کی بہت اہم تصنیف ہے۔نواب حیدرآباد کے دور اور ان کی سرپرستی میں جو محفلیں ہوتی تھیں اسے صدق صاحب نے بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے ان کا ایک مصرعہ''اس کے لطفِ عام کو غیرت نہیں کرتی قبول'' بہت مشہور ہے۔

۲۰/جنوری ۱۹۵۹ء

شفیق،سلام ممنون

عنایت نامہ کل ملا،آپ کے دلائل پڑھ کر اطمینان ہوگیا۔وہ جو ایک خلش تھی جاتی رہی۔میرا مضمون بھی آپ کو پسند آیا۔اس کا شکر گزار ہوں۔اس کے پہلے کے پرچہ تو دو ہی طریقوں سے آپ دیکھ سکتے ہیں یا خود جائس آئیں یا میں کانپور آؤں۔کلکتہ بہت دور ہے۔مجھے اتنی دور کہاں گھسیٹے گا،کانپور تک سفر کرنا تو زیادہ زحمت طلب نہ تھا۔اس کے علاوہ لوگ کہتے تھے کہ وہاں کے ادبی حلقوق میں آپ کا کافی اثر ہے۔اس عمر میں الہٰ آباد، جونپور،لکھنؤ،کانپور تک سفر تو سہل ہے۔دور دراز مقامات پر محض غزل خوانی کے لیے جانا جوانوں کا کام ہے۔یہ خوب ہوا کہ آپ نے گھر کا پتہ لکھ بھیجا اب کسی فرصت میں کچھ تازہ فکر آپ کو کہہ بھیجوں گا۔ممکن ہو اور کوئی خاص زحمت نہ ہو تو ایک اچھا سا کلینڈر کسی معتبر آدمی کی معرفت بھجوا دیجئے۔یہاں رائے بریلی تک اچھا کلینڈر دستیاب نہیں ہوتا۔کلکتہ میں جو غزل آپ پڑھیں گے اس کا میں بھی مشتاق رہوں گا۔ڈاک سے تو جب تک رجسٹرڈ پیکٹ نہ ہو مجھ تک پہنچنا محال ہے۔

دو کلینڈر کلکتے سے منگوائے تھے وہ نہ پہنچ سکے۔یاروں نے راستے ہی میں اڑا لیے۔امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

والسلام
صدقؔ جائسی

۲۷؍فروری ۱۹۵۹ء

چوں آرزوئے تنگ دلاں دیر رسیدی
چوں دوستیٔ سنگ دلاں زود برنتی

عزیز مکرمی مشاعرے کی رات کو باوجود سخت سردی کے میں ۹:۳۰ سے ۱۱ بجے رات تک کپڑے پہنے گھر میں منتظر بیٹھا رہا۔ مگر اہل مشاعروں کی طرف سے کوئی مجھے لینے نہ آیا۔ وہاں میری صدارت کا اعلان ہوا کیا، یہاں صدر کے ساتھ تغافل کا یہ عالم رہا۔ صبح کو آپ کے گھر گیا تھا تو معلوم ہوا آپ گھر سے رخصت ہو کر نکل چکے۔ بہرحال جو صاحبان باہر سے آئے تھے ان کے حالات گھر بیٹھے سنے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ لوگ شاعر نہیں بلکہ منگتا ہیں۔ نہایت دکھ ہوا۔ واہ رے زمانے! ایسے لطیف اور شریف پیشے کی یہ تذلیل؟ لیکن ''جو کچھ فلک دکھائے سو ناچار دیکھنا''۔ کلکتے کے سفر کے حالات کہئے وہاں آپ نے کیا پڑھا یہاں کیا پڑھا۔ دونوں آنکھیں دونوں غزلوں کی مشتاق ہیں۔ ایک بات کا جواب بطور خاص چاہتا ہوں نشورؔ واحدی صاحب کی شاعری کے متعلق آپ کیا رائے رکھتے ہیں۔ ان کی دو غزلیں پاکستانی پرچوں میں نظر سے گزریں۔ لیکن میرے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔ شاید یہ میری کم علمی اور جہالت کی بدولت ہو۔ اسی لیے آپ سے پوچھتا ہوں۔ افسوس کہ آپ نے زحمت کر کے کلینڈر دیا اور مجھے نہ ملا۔ خدایا کیا جائس والے تمیز و شائستگی سے اب ہمیشہ محروم ہی رہیں گے۔ مجھ سے مہرؔ صاحب سے بات چیت ہوئی تھی۔ وہ نہ نادم ہیں نہ شرمندہ۔ گویا کوئی بات ہی نہیں ہوئی اور جو کچھ ہوا وہ بالکل بجا اور درست ہوا۔

والسلام
صدقؔ جائسی

بنام: جناب اثرؔ لکھنوی
کانپور
۴؍جولائی ۱۹۵۹ء

محترمی تسلیم!

عنایت نامہ نظر نواز ہوا۔ شرمندہ ہوں کے چند وجوہ کی بنا پر جواب میں تاخیر ہوگئی۔ سرو چمن نے کیا ہے پیدا..... کی تقطیع کے سلسلے میں آپ نے ارکان فعل فعولن فعول فعلن تجویز فرمائے ہیں تقطیع تو ہو جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ میں اس سے پہلے عرض خدمت کر چکا ہوں کہ بحر متقارب کی اس فرع میں فعول کے بعد فعلن لانا از روئے قواعدِ عروض درست نہیں ہے۔ کیونکہ فعل فعولن فعول فعلن کی تکرار سے دوسری فرع کا وزن پیدا ہوتا ہے۔ جو مذکورہ فرع سے بالکل مختلف ہے۔
مثلاً داغؔ کا شعر ملاحظہ ہو:

جھکی ذرا چشم جنگ جو تھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
فعول فعلن فعول فعلن فعل فعلن فعول فعلن

بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر
فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن

ظاہر ہے کہ اس شعر کا وزن آپ کے زیر بحث اشعار کے اوزان سے ہم آہنگ نہیں ہے بتیس صورتیں اوزان کی جو میں نے تحریر کی تھیں ان میں کہیں بھی ارکان فعول فعلن یا فعلن فعولن نہیں ہے۔ ان بتیس اوزان کا اختلاط باہمی تو ایک غزل میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ لیکن فعل فعولن یا فعلن فعولن یا فعول فعلن کی گنجائش فرع مذکور میں نہیں ہے عندلیبؔ شادانی کے اشعار کی تقطیع میں جو ارکان آپ لائے ہیں ان کے متعلق بھی میری یہی تحقیق ہے۔
''فعل'' فعولن سے بہ عمل زحاف ''حذف'' حاصل ہوتا ہے اور زحاف ''حذف'' عروض وضرب کے سوا

کسی اور مقام پر جائز نہیں پھر رکن فعل مصرعے کے شروع میں کیوں کر استعمال ہوسکتا ہے۔ دوسری صورت آپ نے شفق دھنک مہر، کی تقطیع میں جو پیش فرمائی ہے یعنی فعول فعلن کا استعمال تو اس کے متعلق کیا عرض کروں، داغ کا شعر اور اس کا وزن سامنے ہے۔ فعول فعلن کو اسی سے نسبت ہے۔ آپ کی غزل کا جو وزن ہے یا جتنے اوزان اس فرع میں مستعمل ہیں۔ ان صحت کو جانچنے کے لیے عروضی کلّیہ یہ ہے کہ ان اوزان میں سببِ خفیف کے بعد سبب خفیف آئے گا یا ایک سببِ خفیف دو سببِ ثقیل کے درمیان ہوگا۔ اس کے خلاف اگر پایا جائے تو وزن کو غلط سمجھنا چاہئے۔ ''نگار'' یہاں بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے اگر کوئی خاص زحمت نہ ہو تو جولائی ۱۹۵۹ء کا ''نگار'' ضرور ارسال فرمائیں تاکہ آپ کے مضمون اور جناب نیاز کے ارشادات سے آگاہ ہوسکوں۔ موقع ملا تو ماہ رواں کے آخری ہفتہ میں لکھنؤ آکر حاضرِ خدمت ہوں گا۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔

کوثر جائسی

کشمیری محلّہ۔ لکھنؤ

۱۵/ جولائی ۱۹۵۹ء

مکرمی۔ تسلیم

میں آپ کو لکھنے سے قبل جولائی کے نگار کا انتظار کر رہا تھا۔ اس میں نیاز صاحب نے تسلیم کرلیا کہ میرے ترمیم کردہ مصرعے موزوں ہیں۔ اس سے پیشتر ایسا اعتراف نہ کرنے کے عذر تراشے ہیں۔ اور یہاں تک فرمایا ہے کہ مصرعوں کو کبھی ناموزوں نہیں کہا بلکہ مجھے پسند نہیں کیونکہ آہنگ و توازن غزل کے باقی مصرعوں سے مختلف ہے۔ نگار کا پرچہ بھیجنے میں طوالت ہی نہیں کی بلکہ انھوں نے ایک دوسری بحث چھیڑ دی ہے جسکا جواب لکھنا ہے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ آپ کی عنایات و زحمت فرمائی کا ممنون ہوں اور رہوں گا۔

نیاز مند۔ اثر

نوٹ: یہ خط جعفر علی خان اثر کا ہے جو اردو ادب کے ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیاز صاحب سے مراد علامہ نیاز فتحپوری ہے۔

بنام جناب آثر لکھنوی

کانپور

۲۲ر جولائی ۱۹۵۹ء

مکرم ومحترم ۔تسلیم

نوازش نامہ کل تقریباً ۱۲:۳۰ بجے دن کو ملا۔ میں چونکہ ۱:۳۰ بجے ڈیوٹی کے لیے گھر سے روانہ ہو جاتا ہوں۔ اس لیے فوراً تعمیل حکم نہ کر سکا۔ جولائی ۱۹۵۹ء کا ''نگار'' بھی کل ہی ایک صاحب سے بمشکل حاصل ہوا۔ آپ کی تشریحات و دلائل نیز جناب نیاز کے ارشادات بغور دیکھے خیر انھوں نے مصرعوں کو موزوں تسلیم کر لیا۔ یہ بھی بہت ہے۔ ورنہ ان کے مضمون کو پڑھ کر بہت سے ایسے گوشے نظر میں آتے ہیں کہ لکھا جائے تو سلسلہ بحث بہت وسیع ہو جائے۔ بحر الفصاحت کی جستجو میں ہوں خدا وہ دن کرے کہ مجھے اس کی زیارت نصیب ہو۔ مصرعے اور تقطیعی ارکان جو اس کتاب کے حوالے سے پیش کیے گئے ہیں ان کا شمار بھی عجائبات میں ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اردو میں عروض کی کتابیں متقدمین کے عربی وفارسی رسائل عروض کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ خلیل اور محقق طوسی اس علم کے موجد اور امام تھے۔ اصول اور قواعد انھوں نے وضع کیے زحافات کا محل استعمال اور فروعوں کی تقسیم انھیں صاحبان کی فکر ونظر کی رہین منّت ہے۔ سکا کی اخفش اور محقق کے بعد ہندوستان میں بھی کچھ ایسے باخبر اور وسیع النظر عروضی پیدا ہوئے جنھوں نے کچھ نئی بحریں ایجاد کیں۔ زحافات بھی نئے تراشے لیکن چونکہ ان کا کوئی قاعدہ اور کوئی ضابطہ معتبر نہ بنا سکے۔ اس لیے وہ بحریں اور زحافات نقشِ باطل ہو کر رہ گئے۔ نیاز صاحب نے میر اور سودا کے اشعار کی تقطیع کے سلسلے میں جواباً بحرِ متقارب کے تمام تر متعلقات لکھ کر فرمایا ہے کہ یہ سب زحافات اس بحر میں آتے ہیں اور ادب کو بروزن ''فعل'' بتا کر گویا بالکل مطمئن ہو گئے۔ یہ تو مبتدی عروض داں بھی جانتا ہے کہ بحرِ متقارب میں کون کون سے زحافات مستعمل ہیں لیکن محل استعمال زحاف کی نزاکتیں ایک نکتہ رس ہی سمجھ سکتا ہے۔ سودا ہو یا میر بہر حال بشر تھے ان سے بھی لغزشوں اور کوتاہیوں کا امکان تھا۔ قواعد اور اصول کے خلاف کوئی بھی چلے گا تو ٹوکا جائے گا۔ چنانچہ نظیری اور عاقل خاں جیسے لوگوں کا کلام بھی اعتراض سے نہیں بچ سکا۔

نیاز صاحب نے شیخ علی حزیں کی غزل کا یہ مصرع

اگر چہ صد سال زبے خودی ہا بہ خاکِ راہت فتادہ باشم

سند میں پیش کیا ہے کہ حشو میں صد سال بروزن فعلان ہے اور رکن مسبّغ کے استعمال کی مثال ہے۔ اتفاق سے کل شب میں ''غیاث اللغات'' دیکھ رہا تھا۔ اس میں یہی مصرع نظر آ گیا۔ جس کے بارے میں صاحب غیاث نے تحریر فرمایا ہے۔ یعنی یہ مصرع محل نظر قرار دیا ہے اور زیادتی حرف کی قبیح مثال میں شامل کیا ہے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

نیاز صاحب نے حزیں کے تین اشعار میں ایسی ہی تسبیغ یا رکن مسبغ کی صورت دریافت فرمائی ہے۔ ایک غلط وزن کی مثال میں کتنے ہی غلط اوزان کی مثالیں کیوں نہ پیش کی جائیں۔ عیب بہ ہر طور عیب ہی رہے گا۔

جب شیخ علی حزیں کے اشعار معائب کی مثال بن سکتے ہیں تو پھر رام پوری صاحب کس شمار میں ہیں جن کا حوالہ دیا جائے۔ افسوس تو یہ ہے کہ علمِ عروض کے باقاعدہ جاننے والے ہندوستان میں کم رہ گئے ہیں اور اس کی ضرورت بھی موجودہ دور میں نہیں رہ گئی۔ پھر اس علم کی تحصیل و تحقیق کی کیا ضرورت ہے۔ اندیشہ ہے کہ ''نگار'' کے عروضی مضامین دنیائے شعر وادب میں گم راہی کی بنیاد نہ ثابت ہوں۔ کیونکہ ملک میں کسی اور طرف سے تائید وتردید کی آواز ہی نہیں اٹھتی بالفرض کوئی خامہ فرسائی کرے بھی تو اس کی امید نہیں کہ نیاز صاحب نگار میں اس کی اشاعت پسند فرمائیں۔ فارسی مثنوی کا صرف ایک شعر نیاز صاحب نے ڈھونڈ نکالا ہے اور اسے بحر متقارب کے وزن میں گرفتار کر کے مضحک شکل وزن کی پیش کی ہے۔ کاش اس مثنوی کے اور اشعار موصوف تحریر کرتے تا کہ معلوم ہوتا کہ باقی مصرعوں کے اوزان کی کیا صورت ہے۔ اس شعر کا وزن صاف صاف بحرِ متدارک مثمن مجدوع ہے۔ کاش نیاز صاحب عروض کی تہہ تک جانے کی سعی فرماتے۔ لیکن مصلحتوں کا تقاضا یہ ہے کہ

تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

فانی کی غزل مع تقطیع حاضر خدمت ہے۔ اس غزل کے بحر وارکان اور زحافات وہی ہیں جن سے آپ کی غزل کو نسبت ہے۔

''نگار'' کا وہ پرچہ جس میں آپ کی غزل از مطلع تا مقطع نیاز صاحب نے پیش کی تھی اس وقت میرے پاس نہیں، البتہ میں نے احتیاطاً بالترتیب اشعار کے اوزان ایک بیاض پر نوٹ کر لیے تھے۔ یقین ہے کہ وہ ترتیب ٹھیک ہی ہوگی۔ اب اپنے اشعار کے اوزان وارکان پہلے ملاحظہ کیجیے کہ بالکل وہی صورتیں فانی

کے مصرعوں میں ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فانی کی غزل اسی بحر میں ہے اور تمام زحافات وہی ہیں جن کا بحرِ متقارب سے تعلق ہے۔ جیسا کہ ''نگار'' میں بحر کا نام بلحاظ استعمال زحافات، ثلم، اثرمقبوض وغیرہ بتایا گیا ہے اور کچھ اردو اثرم کی کتابوں میں بھی یہی القاب لکھے گئے ہیں۔ مناسب سمجھئے تو انھیں ناموں سے بحر کو منسوب کیجیے اور نہ صاحب قواعد العروض کے نزدیک اصول وقواعد کی رو سے زحافات ثلم وثرم کا استعمال اس بحر کی فرع میں ہر جگہ نہیں ہوا۔ میں نے صحیح نام مزاحف ارکان کے لکھ دیے ہیں۔ اب کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ ایک ضروری بات آپ کی خدمت میں عرض کرنا ہے۔ وہ یہ کے جناب نے ماہِ رواں کے نگار میں جو مضمون تحریر فرمایا ہے اس میں واضح کیا ہے کہ ثلم کا نام مخنّن خبن ہے۔ مجھے اس قول سے اِختلاف ہے کیونکہ ثلم کے عمل کے بعد رکن کی صورت ایک سی ضرور ہو جاتی ہے لیکن ان کے استعمال کے مقامات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

کوثر جائسی

نوٹ: اس مضمون کے اختتام پر آثر صاحب کی فرمائش کے بموجب فانی کی پوری غزل کی تقطیع شامل مکتوب کر دی گئی۔ اس تقطیع کی نقل تھی۔ لیکن تلاش کرنے پر ملی نہیں۔ بہرحال اس تقطیع کو آثر صاحب نے دیکھ کر اپنے اطمینان کا اظہار کیا ہے جو ان کے مکتوب میں واضح ہے۔

کشمیری محلّہ۔ لکھنؤ

۲۵/جولائی ۱۹۵۹ء

مکرمی۔ تسلیم!

عنایت نامہ کا شکریہ

میں آپ کی تقطیع غزل فانی سے بالکل متفق ہوں۔ اپنے اطمینان کے لیے آپ سے استدعا کی تھی ارادہ تھا کہ نیاز صاحب سے استفادہ کروں۔ مگر ان سے الجھنا بیکار اور بے سود ہے۔

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

نیازمند۔ آثر

کشمیری محلہ۔لکھنؤ

۱۱رنومبر ۱۹۵۹ء

مکرمی۔تسلیم!

یادآوری کا شکریہ۔ میں بہت بیمار ہوں اور حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔اس قابل نہیں کہ مشاعرے میں شرکت کرسکوں۔جس کا افسوس ہے۔مگر مجبور ہوں۔جن حضرات نے میری عزت افزائی کا قصد کیا۔میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کیجیے۔ریڈیو کی نشر کردہ غزل آپ کو پسند آئی معلوم ہوا کہ مجھے دولت وافر مل گئی۔بلا تکلف عرض کررہا ہوں۔

نیازمند۔آثر

نوٹ: نواب جعفر علی خان آثر جیسے ثقہ لوگ علامہ کوثر جائسی کا کس قدر احترام کرتے تھے وہ مندرجہ بالا خط سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

۷۸۶

مورخہ: اپریل ۱۹۷۲ء

بھائی کوثر جائسی السّلام علیکم

آپ جملہ حضرات کی خیریت کا خواہاں سید ضیغم علی شوق جائسی ۱۴رمئی ۱۹۷۲ء کو یادگار مانی جائسی کے سلسلہ میں ایک مشاعرہ ہورہا ہے۔جس میں بیرونجات کے شعرا شرکت کررہے ہیں۔ہم نے تو آپ کے جانے کے بعد سے بالکل مشاعروں میں شرکت چھوڑ رکھی ہے۔لیکن یہ مشاعرہ بہت ہی اہم پرنہج سے ہے۔کلبِ عبّاس صاحب سیکریٹریِ مشاعرہ ہیں۔اس لیے شرکت ضروری ہوگئی ہے۔مصیبت یہ ہے کہ طرحی مشاعرہ ہے۔لہٰذا چند شعر روانہ کررہا ہوں مہربانی فرما کر مکمل بنانے کی سعی فرمائیے۔کیونکہ فراق وغیرہ بھی شریک ہو رہے ہیں۔میرے بڑے بھائی سید آل علی صاحب جو ناگپور میں مقیم ہیں ان کی طبیعت ان دنوں بہت خراب ہے۔تار آیا ہے۔یکم مئی کو آپ کی خدمت میں روانہ کررہا ہوں اور دوسری مئی کو میں ناگپور جارہا ہوں۔زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ میں لوٹ آؤں گا۔لہٰذا آپ زحمت فرما کر اس کو درست کرنے کی جلد کوشش فرمائیں گے۔میں گیارہ بارہ مئی تک ضرور آجاؤں گا کیونکہ ۱۳رمئی ۱۹۷۲ء کو منجانب دستک پورٹاؤن حال رائے بریلی میں ہے۔اس میں بھی مجھے شرکت کرنی ہے اور ۱۴رمئی کو جائس میں مشاعرہ ہے جس کی غزل آپ کے پاس روانہ کی ہے۔اپنی خیریت سے آگاہ فرمائیےگا۔

طرح حسب ذیل ہے۔

طرح : ''اب کہاں قافلۂ اہلِ وفا رکھا ہے''

قافیہ ۔ دعا، جفا وغیرہ

ردیف ۔ رکھا ہے

رشکِ فردوس جو گھر تم نے بنا رکھا ہے
ایک دن اس کا بھی انجام فنا رکھا ہے
حشر سے پہلے ہی اک حشر اٹھا رکھا ہے
تم نے سوئے ہوئے فتنوں کو جگا رکھا ہے

اس سے مطلب نہیں کعبہ ہو کہ بت خانہ ہو

ہر جگہ عشق نے سجدوں کو روا رکھا ہے

کیجیے دل کے اشاروں پہ تلاشِ منزل
کوئی رہرو نہ کوئی راہ نما رکھا ہے

ہوگا اک روز تغافل تمہیں پیغامِ اجل
ہم نے پہلے ہی سے یہ ان کو سنا رکھا ہے

اپنی نا کام تمناؤں کی تصویر ہے یہ
دل کے پیمانے میں یاں خون بھرا رکھا ہے

کفرو دیں سے نہیں کچھ بحث ہم اہلِ دل کو
بس تری یاد کو ایمان بنا رکھا ہے

ہم نے ہر گام پہ آنکھوں سے لہو ٹپکائے
دشتِ پُر خار کو گلزار بنا رکھا ہے

مست آنکھوں کے اشارے ہیں کہ دورِ ساغر
تم نے مدہوش زمانے کو بنا رکھا ہے

روٹھنے والے کو اے شوق منانے کے لیے
کوئی پہلو ہی نہیں ہم نے اٹھا رکھا ہے

حاصل زیست ہر اک سانس بنی ہے جب سے

ناوک ناز کو سینے سے لگا رکھا ہے

وہی دیوانہ تو دانا ہے جہاں میں جس نے
عشق کو زیست کا عنواں بنا رکھا ہے
(اصلاح شدہ)

ان تین مصرعوں پر ہی مصرعہ دینا ہے۔ لہٰذا جو شعر یا مصرعہ کمزور ہو اس کو قلم زد کر دیجیے گا۔ اپنی مکمل قوت شامل کریئے گا۔ مہربانی کر کے خیریت تحریر فرمایا کیجیے۔

نوٹ : مہربانی ہوگی جلد روانہ کریئے گا کہ جلد سے جلد ہم کو بارہ مئی تک ضرور مل جائے۔ جواب کے لیے لفافہ لفافے کہ اندر رکھا ہوا ہے تا کہ آپ کو زحمت نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وقت نکل جائے۔ امید تو نہیں ہے۔

فقط
سید ضیغم علی نقوی شوقؔ جائسی عرف جگی بابا
محلّہ ...قضا....عرف ہاشمی پوسٹ جائس،
ضلع رائے بریلی.

نوٹ: ضیغم علی شوقؔ، مزے کے شاعر تھے۔ کوثرؔ صاحب کے پاس اپنا کلام مشورہ کے لیے بھیجتے رہتے تھے۔ اس زمین میں مانیؔ جائسی کا شعر بہت مشہور ہوا تھا:

راہ سونی ہے اکیلا ہی چلا جا مانیؔ
اب کہاں قافلۂ اہلِ وفا رکھا ہے

۱۷/اپریل ۱۹۷۵ء

محترمی

آداب و نیاز

رباعیوں کے چند مصرعے سپرد ذیل ہیں۔ان کی بحور کی صحت کے متعلق آپ کی گراں قدر رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔زحمت یقیناً ہوگی لیکن توقع ہے کہ میری التماس رائگاں نہ جائے گی۔فی الوقت بے حد مصروف ہوں اپنے تازہ شعری مسودہ ''جلوہ نمو'' کو نگاہ ثانی کے بعد پریس کے حوالے کرنا ہے۔ممکن ہے یہ خبر میری نظر سے گزری ہو کہ ''جلوہ نمو'' کی طباعت کے لیے اتر پردیش اردو اکاڈمی نے ایک ہزار روپئے کی رقم منظور کی ہے۔

یہ سطور نہایت عجلت میں لکھ رہا ہوں۔نوازش نامے کا انتظار کروں گا۔اور توجہ فرمائی کے لیے ہمہ تن سپاس ہوں گا۔امید ہے کے مزاج بخیر ہوں گے۔کمال صاحب کو میرا سلام کہہ دیں۔احتیاطاً دوبارہ عرض ہے کہ جواب سے امکاناً بوا پسی نوازیں۔

آپ کا

حرمت الاکرام

۱۔ کیوں لہو میں جزرومد سا ہوتا
۲۔ دنیا کو نظر بھر کے دیکھا تھا جہاں
۳۔ ارباب شعور کو غم تھوڑے ہیں
۴۔ تھک جاؤں تھک کے سو جاؤں میں
۵۔ اس رات کو بازوؤں میں تو لوں آؤ
۶۔ موتیوں کی مانند اٹھاؤ ہم کو

بنام: حرمت الاکرام

۲۰/اپریل ۱۹۷۵ء

مکرمی تسلیم!

بے حد مصروفیات کی وجہ سے فوری جواب نہ تحریر کر سکا۔متاسف ہوں۔آپ کے تحریر کردہ رباعی کے مصرعے سامنے ہیں۔ان کے متعلق بالترتیب رائے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔اصل صورت: کیوں لہو میں جزرومد سا ہوتا۔وزن درست نہیں

ترمیم شدہ صورت: کیوں میرے لہو میں جزرومد سا ہوتا۔اس میں ''میرے'' کا اضافہ ہوا۔تقطیع میں یائے مجہول گر جائے گی۔

ارکان تقطیعی: مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

۲۔اصل صورت: دنیا کو نظر بھر کے دیکھا تھا جہاں۔وزن درست ہے۔

ارکان تقطیعی: مفعول مفاعیلن مفعول فعول

۳۔اصل صورت: ارباب شعور کو غم تھوڑے ہیں۔وزن درست نہیں۔

ترمیم شدہ صورت: ارباب شعور کو یہ غم تھوڑے ہیں۔''یہ غم'' لکھیے یا ''الم'' لکھیے تو وزن درست ہوگا۔

ارکان تقطیعی: مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع

۴۔اصل صورت: تھک جاؤں تھک کے سو جاؤں میں۔وزن درست نہیں

ترمیم شدہ صورت: تھک جاؤں اور تھک کے سو جاؤں میں۔

ارکان تقطیعی: مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع

۵۔اصل صورت: اس رات کو بازوؤں میں تو لوں آؤ۔وزن درست ہے

ارکان تقطیعی: مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

۶۔اصل صورت: موتیوں کی مانند اٹھاؤ ہم کو۔وزن درست نہیں

ترمیم شدہ صورت: سیماب کی مانند اٹھاؤ ہم کو۔ موتیوں کی جگہ ''سیماب'' لکھیے یا اس کا ہم وزن کوئی لفظ۔
ارکان تقطیعی: مفعول مفاعیل مفاعیلن فع

ترمیم شدہ صورتیں بطور مثال ہیں مقصد یہ کہ آپ کسی بھی شکل میں ترمیم کریں تو پیمانہ نظر میں رہے۔

مخلص
کوثر جائسی

۲۷/اپریل ۱۹۷۵ء

محترمی

آداب و نیاز نوازش نامہ ملا۔ متشکر ہوں کہ آپ نے زحمت فرمائی۔ مصرعوں کے ساتھ آپ نے اوزان بھی لکھ دیے یہ مزید عنایت کی تاخیر مطلق نہیں ہوئی۔ ڈاک کے نظم و نسق کو کیا کہا جائے۔ ہر ماہ تقریباً ایک تہائی خطوط و رسائل گم ہو جاتے ہیں۔

چند مصرعے جو پچھلی دفعہ سہواً رہ گئے تھے سپرد ذیل ہیں ایک مصرعہ دوبارہ کہا ہے۔ ان کے متعلق ایک بار اور زحمت فرمائیں تو کرم ہو۔ کمال صاحب آج کل کیا کر رہے ہیں؟ انھیں میرا سلام کہہ دیں۔

آپ کا
حرمت الاکرام

مصرعے:

۱
اک ناؤ بھنور کی ہوا جاتا ہوں

۲
منزل سے نہ ڈرو اور ہو جاؤں میں

۳
بکھرے موتیوں سا اٹھاؤ ہم کو

۴
زمزموں کا آہنگ بھی ڈس لیتا ہے

وقار علی نقوی جائسی
از جائس
۲۸/اپریل ۱۹۷۷ء

کرم فرمایے بندہ! تسلیم

آپ یادگار مانی لائبریری سوسائٹی (جس کی بنیاد مولوی سید کلب عباس صاحب مرحوم ڈال گئے ہیں اور جو ان کو نہایت درجہ عزیز تھی) کے انھیں کے زمانے سے ممبر ہیں۔ لائبریری مذکور کی خدمت جس میں خازن ولائبریرین اور مینجر کے فرائض سب سے زیادہ ہیں آنریری طور پر مولوی سید رضا محمد صاحب اب تک انجام دیتے رہے ہیں۔ موصوف اپنی گوناگوں مجبوریوں کے باعث اب سبکدوشی چاہتے ہیں۔ اور ذرائع آمدنی کم سے کمتر ہو جانے کے باعث لائبریری کی بقا کا مسئلہ بھی انتہای نازک مرحلہ میں پہنچ چکا ہے۔ ضرورت ہے کہ تمامی ذمہ داران لائبریری یکجا ہو کر اس کے مسائل پر غور فرمائیں۔ اس کے ہست ونیست کی بابت ضروری اقدام فرمائیں لہٰذا بتاریخ ۲۲ مئی ۱۹۷۷ء بروز یکشنبہ ایک ہنگامی جلسۂ عام بمقام جائس بوقت ۹ بجے دن بمقام امام باڑہ کردانہ منعقد ہوگا۔ جس میں آپ کی شرکت ازبس ضروری ہے۔ شرکت فرما کر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں۔

والسّلام
سید فقیر شبر ایڈوکیٹ
جنرل سیکریٹری، مانی لائبریری
قصبہ جائس (رائے بریلی)

۲/نومبر ۱۹۷۸ء

محترم انعام

السّلام علیکم

سکندر صاحب میرے ایک عزیز دوست کے عزیز قریب ہیں اور بجور صاحب مرحوم کے خویش ہیں۔ ان کی ریسرچ کے سلسلے میں عروض سے متعلق باب کے سلسلے میں میں نے انھیں آپ سے مشورہ کرنے کی صلاح دی تھی۔ چنانچہ انھوں نے آپ کو خط بھی لکھا جس کا جواب بھی انھیں مل گیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے آپ کو کئی خط لکھے لیکن ان کا کہنا ہے کہ وہ جواب سے محروم رہے۔ یہ میں تصور نہیں کر سکتا کہ آپ کو خط ملے اور آپ جواب نہ دیں۔ (یہ خراب عادت مجھ میں ہی ہے) لہٰذا امکان یہی ہے کہ خطوط آپ تک پہنچے ہی نہیں۔ سکندر صاحب کو اب میں مشورہ دے رہا ہوں کہ کانپور جا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا اول آپ سے وقت لینا ہوگا۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ کوثر صاحب اتنے خلیق اور شریف ہیں کہ آپ جس وقت بھی ان کے یہاں حاضری دیں گے وہ آپ کی جو کچھ بھی امکانی مدد کر سکتے ہیں کریں گے۔ لہٰذا اب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آپ بہر حال ان کو اتنا تحریر کر دیجیے کہ وہ کس اتوار کو آپ کے یہاں حاضر ہوں۔

معلوم ہوا تھا کہ آپ تشریف لائے تھے اور ڈاکٹر کشور صاحب کے یہاں بھی تشریف لے گئے تھے لیکن میں آپ کی ملاقات سے محروم رہ گیا۔ جس کا افسوس ہے۔ امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص
محمد ولی الحق انصاری۔ لکھنؤ

۲۳/جولائی ۱۹۸۱ء

محترم ومکرم! آداب ونیاز

زیرِنظر نظم مقامی طور پر بحث کی موضوع بنی ہوئی ہے۔آپ عروض پر گہری نگاہ رکھتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں آپ کی رائے درکار ہے۔

براہ کرم جواباً یہ تحریر فرمانے کی زحمت فرمائیں کہ

۱۔ کیا یہ نظم موزوں ہے؟ اگر موزوں ہے تو کیسے؟ اور غیر موزوں ہے تو کیوں؟

۲۔ اس نظم کی بحر، وزن اور تقطیع سے مطلع فرمائیں۔

خاکسار

تنویر چشتی

''نورمنزل''

محلّہ قلعہ منگلور ضلع سہارن پور

نذرِ علّام

عشق کا تا بندہ یتیم گہر
ہوش و خرد کا روشن اختر
علم کا قلزم فن کا ساگر
عین نوری جس کا پیکر
سالک کامل نہیں جسکی حدّ
جس کے قائل ہیں اہل خرد
واللہ اقلیم سخن میں احد
وہ ہے مرشد میں ہوں مرشد
جس کے مقالات پراز جدت
جس کی زباں میں لطف و لذت
جس کے سخن میں کیف و فرحت
قطب سے بالا جس کی رفت
حامل اخلاق عظیم ہے وہ
داناؤں میں بھی فہیم ہے وہ
اہلِ ذکا میں بھی علیم ہے وہ
دل میں ادیبوں کے مقیم ہے وہ
میرا ہنر میرا فن ہے کیا
سحرؔ عشق آبادی کی عطا

اسکی تجلّی ہی سے پائی ضیا
میری نوا میں ہے اس کی نوا
راہ ہُدا کا وہ ہے رہبر
نور سے اس کے روشن ہے بصر
مجھ پہ اسی کا فیضان نظر
بہتر ہر باب ہے سحرؔ کا در

۲۲ ستمبر ۱۹۸۱ء

مکرمی کوثرؔ صاحب۔ سلام مسنون

عنایت نامہ باصرہ نواز ہوا۔ شکریہ

ارسال کردہ نظم کے سلسلے میں آپ کا یہ فرمانا حق بجانب ہے کہ علاّمہ سحرؔ عشق آبادی سے منسلک شاعر عروض سے یقیناً باخبر ہوگا۔ یہ آپ کی بالغ نظری کی دلیل ہے۔ لیکن اسی خط میں آپ کا یہ تحریر کرنا کہ ''نظم نگار خود وضاحت کریں کہ ان کی یہ نظم کس بحر سے تعلق رکھتی ہے۔ ارکان کیا کیا ہیں۔ اور کون کون سے زحافات اس میں مستعمل ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ہی کوئی رائے دے سکتا ہوں'' تعجب خیز ہے! ایک ماہر عروض کے لیے عروض کی کسوٹی پر کہنا کوئی مشکل کام نہیں۔ غالباً مصروفیت مانع رہی ہوگی ورنہ مصلحت آمیزی سے کام لیا گیا ہے۔ بہر کیف حسب ارشاد نظم مع تقطیع ارسال کر رہا ہوں۔

یہ نظم آسانی کے ساتھ خلیلؔ کی ۳ بحور میں غوطا کھاتی ہے لیکن میں یہاں صرف ایک بحر میں تقطیع کر رہا ہوں۔ تمام عروضیوں کی آرا شایع کی جائیں گی۔ لہٰذا نظم کی موزونیت پر عروضی نقطہ نگاہ سے اظہار رائے فرمائیے۔ ممنون ہونگا

جواب کا منتظر
آپکا مخلص
تنویر چشتی

نذرِ علّام

عشق کا تا بندہ یتیم گہر	مفتعلن	مفتعلن	فعِلن
ہوش و خرد کا روشن اختر	//	مفعولن	فعلن
علم کا قلزم فن کا ساگر	//	//	//
عین نوری جس کا پیکر	مفعولن	//	//
سالک کامل نہیں جسکی حد	مفتعلن	مفتعلن	فعِلن
جس کے قائل ہیں اہل خرد	مفعولُن	مفعولُن	//
واللہ اقلیم سخن میں احد	//	مفتعلن	//
وہ ہے مرشد میں ہوں مرشد	//	مفعولُن	فعلن
جس کے مقالات پراز جدّت	مفتعلن	مفتعلن	//
جس کی زباں میں لطف و لذّت	//	مفعولن	//
جس کے سخن میں کیف و فرحت	//	//	//
قطب سے بالا جس کی رفعت	//	//	//
حامل اخلاقِ عظیم ہے وہ	مفتعلن	مفتعلن	فعِلن
داناؤں میں بھی فہیم ہے وہ	مفعولن	//	//
اہلِ ذکا میں بھی علیم ہے وہ	مفتعلن	//	/
دل میں ادیبوں کے مقیم ہے وہ	//	//	//
میرا ہنر میرا فن ہے کیا	//	مفعولن	فعلن
سحرؔ عشق آبادی کی عطا	مفعولن	//	فعِلن
اسکی تجلّی ہی سے پائی ضیا	مفتعلن	مفتعلن	//

میری نوا میں ہے اسکی نوا	//	فعولن	//
راہِ ہدا کا وہ ہے رہبر	//	//	فعلن
نور سے اسکے روشن ہے بصر	//	//	فعِلن
مجھ پہ اسی کا فیضانِ نظر	//	//	//
بہتر ہر باب ہے سحرؔ کا در	//	مفتعلن	//

۵/اکتوبر ۱۹۸۱ء

مخلص مکرم چشتی صاحب

سلام مسنون!

محبت نامہ باعث مسرت ہوا۔ آپ کا پہلا خط ۲۳/جولائی ۱۹۸۱ء کا تحریر کردہ مجھے ۲۷/جولائی کو مل گیا تھا۔ اب تقریباً دو ماہ بعد آپ کا ۲۳/ستمبر کا لکھا ہوا خط مجھے ۳/اکتوبر کو ملا۔ معلوم نہیں ڈاک میں اس قدر تاخیر کیوں ہوتی ہے۔ اپنی یہ ہے کہ میں فروری ۱۹۷۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوگیا تھا۔ اور نقد وغیرہ کا جو روپیہ ملا وہ چار لڑکیوں کی شادی میں صرف ہوگیا۔ میرے بڑے لڑکے میاں کمال جائسی شاعروں میں بحیثیت شاعر اور اناؤنسر مقبول ہیں۔ وہ اپنے اہل وعیال کے کفیل ہیں۔ گنجائش ہونے پہ میری بھی مدد کردیتے ہیں دو اور بچے زیرِ تعلیم ہیں۔ ایک لڑکی کی شادی کا فرض ادا کرنا ہے۔ لے دے کہ کچھ ٹیوشن ہیں وہ بھی ان طالبات اور طلبا کے جو ایم۔اے اردو میں کرتے ہیں۔ ان کی تعداد آپ جانتے ہیں محدود ہے۔ ایسے حالات میں ادبی مشاغل سے واسطہ رکھنا کم ازکم میرے لیے دشوار ہے۔ اپریل ۱۹۸۱ء سے اردو اکاڈمی لکھنؤ نے بطور ادبی وظیفہ مبلغ سو روپے ماہانہ مقرر کیے ہیں۔ جبکہ میرے ہی شہر کانپور سے کئی غیر مستحق حضرات ڈیڑھ سو اور دو سو روپے اس ادبی بیت المال سے پا رہے ہیں۔ جب ادبی ادارے بھی تنگ نظری اور تغافل کا مظاہرہ کریں تو اماں اور کہاں ملے۔ میرے مخلصین میرا مجموعہ کلام بہت جلد چھپوانے کی فکر میں ہیں۔ معلوم نہیں کیوں۔ اشاعت کلام سے کیا حاصل ہوگا۔ بس تھوڑی بہت شہرت، میں ایسی شہرت کو قابلِ لعنتِ جنوں تصور کرتا ہوں۔ اگر کسی نے یہ تسلیم بھی کرلیا کہ یہ صاحب اچھے شاعر ہیں اور عروض سے بھی واقف ہیں تو یہ میرے نزدیک طفلانہ تسکین سے زیادہ کچھ نہیں۔ حیرت ہے کہ غالبؔ جیسا بالغ نظر شاعر کہتا ہے۔ ''شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن'' یعنی جب حضرت کی ہڈّیاں بھی جزو خاک ہوچکی ہوں گی تب آپ کے کمال کی شہرت ہوگی۔ خیر شہرت تو بہت ہوگئی لیکن اس شہرت سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کا واپس دنیا میں آنا کیوں کر ممکن ہے۔ آپ سے بہ واسطہ مکتوب بہت کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن افسوس کہ عرض غم کی بھی فرصت نہیں۔ جوشِ تعلّی میں کبھی اپنی غزل میں ایک شعر یوں کہا تھا:

ایک لمحۂ بے شغل بھی کر لوں گا گوارا
آجائے اجل گو مجھے فرصت تو نہیں ہے

یہ بھی سنک کی ایک ادا ہے بندہ نواز ۱۹۵۹ء میں جناب جعفرؔ علی خاں صاحب اثرؔ لکھنوی (مرحوم) نے

بہ سلسلہ مباحث عروض کمترین سے مسلسلۂ مراسلت قائم کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جناب نیازؔ فتح پوری (مرحوم) نے اثرؔ صاحب کے کلام پر عروضی اعتراضات وارد کیے تھے۔ اثرؔ صاحب کے وہ تمام عنایت نامے میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں انتہائی احتیاط اور پردہ داری سے کام لے کر مرحوم سے تعاون کرتا رہا۔ اس تذکرے سے مراد خودستائی نہیں بلکہ اپنے مزاج اور افتادِ طبع کا تعاون مقصود ہے۔ میں بدنصیبی سے شاعر ہوں اور عملاً زندگی کے اعمال کو قول سے مطابقت دینے کی سعی کرتا رہا ہوں۔ کسی کی دل آزاری یا پردہ دری کبھی میرا مسلک نہیں رہا۔ میں نہ کسی کو آزمائش میں ڈالتا ہوں اور نہ یہ پسند کرتا ہوں کہ کوئی مجھے میدانِ امتحاں تک کھینچ لے جائے۔ یہ آپ کا حسن ظن ہے جو آپ نے مجھ جیسے نااہل کو عروضی مسائل پر رائے دینے کا اہل سمجھا۔

میں اپنے نظریات کی بنا پر یہ سمجھتا ہوں کہ شعرا وزان عروض سے کبھی بیگانہ نہیں ہوسکتا۔ جو حضرات نثر میں شاعری کے جلوے دیکھ کر اسے شعر کہتے ہیں ان سے میرا خطاب نہیں۔ عربی وفارسی ہو یا اردو کسی زبان کی شاعری اوزان عروضی سے بے نیاز نہیں رہی۔ خاص طور پر اردو میں ولی دکنی سے لے کر اس وقت تک کی تمام شاعری کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو کہ بے شمار اوزان ہونے کے باوجود اساتذہ کا کلام چند بحور اور ان کی فرعوں تک محدود ہیں۔ فارسی زبان کے شعرا کے یہاں البتہ اوزان میں تنوع نظر آتا ہے۔ غالبؔ نے کچھ ایسی بحور اور ان کی فرعوں کو ضرور اپنایا ہے جن کو ان کے معاصرین نے مَس نہیں کیا۔ گو غالبؔ کے وہ اختیار کردہ اوزان کا سہارا لے کر زیادہ تر شعرا چند بحروں کے فروع کی تکرار کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ شعرا جو عروض کی وسعت اور نکات کی نزاکت سے گھبرائے انھوں نے مستعمل اور مروّج بحروں کے علاوہ کسی تہہ دار اوزان میں شعر گوئی کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ جہاں کوئی زحافِ ضروری کسی شعر میں استعمال ہوا ان کے کان کھڑے ہوئے مثلاً

ناسخ قول ہے بجا حضرت میر درد کا
حسن بلائے چشم ہے نغمہ و بال گوش ہے

مصرع اوّل میں بہ مقام صدر تسکین اوسط کا استعمال فوراً بیگانہ عروض کو چونکا دیگا ضمیمہ قومی آواز لکھنؤ بابت ۹ مارچ ۱۹۸۰ء میں ایک غزل چھپی ہے۔ یہ غزل اسی فرع بحر سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں یہ تبدیلی زحافات جناب کی ارسال کردہ نظم ہے یعنی فرع بحر سریع مسدس دوسری غزل ضمیمہ قومی آواز بابت ۲۶/جنوری ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ جو غالبؔ کی مشہور غزل کی زمین میں ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے
طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے

لیکن عام طور پر ان کی داد شعرائے لکھنؤ اور شعرائے کانپور نے کھل کر نہیں دی۔ وجہ معلوم ہے۔ یہ دونوں غزلیں برائے تفریحِ طبع میں ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے کی جناب ان تراشوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد میرے پاس واپس بھیجنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ کیونکہ میرے پاس ریکارڈ میں بس یہی ہیں۔ اور کچھ غزلوں سے ایک ایک مطلع تحریر کر رہا ہوں۔ ملاحظہ کیجیے۔

۱ ترے تصور رخ کا بدلا نہیں سماں اب تک
الجھے ہیں میرے اشکوں سے مہتاب و کہکشاں اب تک

۲ اگر وہ رسم تغافل کو خوشگوار بنا دے
دلوں سے درد محبت کا اعتبار اٹھا دے

۳ شب کو عجب اس کی انجمن کا سماں تھا
اشک غم آئینہ جمالِ نشاں تھا

۴ دید کے تازہ مراحل تھے پئے چشم کلیم
(ذووزنین) عشق تھا خضر اور آئینہ تھی دیوار یتیم

۵ باہمی ربط و محبت کا یہاں جلوہ ہے عام
نقش ہندی کو بھی چمکائے ہے اردو کا نظام

۶ غم کی ہے موجیں لیے جام غزل
(چہاراوزان) نور سے پر ہے مری شامِ غزل

یہاں تک تو میں عملی طور پر عروض سے واسطہ رکھتا ہوں۔ اسے زیادہ پیچیدہ اوزان میں طبع آزمائی کرنا جس سے صرف عروض دانی کا مظاہرہ ہو پسند نہیں کرتا۔

کوثر جائسی

۱۱ نومبر ۱۹۸۱ء

حضرت قبلہ کوثر صاحب ۔ السّلام علیکم

نوازش نامہ عین عالم انتظار میں باعث مسرت ہوا۔ آپ نے مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر عروضی مسئلہ پر اظہار رائے فرمایا۔ اس لیے ممنون ہوں۔

آپ نے متذکرہ نظم کو بحر سریع سے منسوب کیا ہے۔ یہ درست ہے۔ حالانکہ یہی نظم بحرِ طویل میں آسانی کے ساتھ تقطیع ہوتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں اسے رجز ہی میں شمار کرنا افضل ہے۔ یہ ترجیح بلا مرجح نہیں۔

آپ نے حضرت ''علاّم سحرؔ عشق آبادی'' کے تخلص ''سحر'' وزن دریافت فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو میری رائے کی ضرورت ہو تو اور بات ہے ورنہ اس کا وزن آپ سے مخفی نہیں۔ بہر حال ملاحظہ فرمائیے۔

''سحر'' عربی کا لفظ ہے اور دو طرح مستعمل ہے۔

۱) ''سحر'' بروزن نظر بمعنی صبح (مؤنث) عروض کی اِصطلاح میں فَعَل کے وزن پر

۲) ''سحر'' بروزن مہر بمعنی جادو (مذکر) عروض کی اصطلاح میں فاع کے وزن پر

علاّمہ سحرؔ عشق آبادی ''سحر'' تخلص فرماتے تھے۔ س + ح + ر

متحرک ساکن موقوف

۱ ۔ سحر (ع) مذکّر ۔ جادو ۔ فیروز اللغات اردو جدید، ص ۷۷۵

۲۔ سحر (ع) // ۔ // ۔ جامع اللغات ص ۳۳۶

۳۔ سحر (ع) // ۔ // ۔ جواہر اللغات فارسی ص ۷۷۵

۴۔ سحر (ع) // ۔ // ۔ سعید اللغات ص ۶۳۷

۵۔ سحر (ع) ۔ (س ح ر) ۔ // ۔ صحت الفاظ ص ۔ ۲۱

لہٰذا یہ ثابت ہے کہ سحر بروزن مہر اور مذکر ہے۔

اب علاّم سحرؔ عشق آبادی صاحب کے کلام سے مزید ثبوت دیکھیے۔

گو سحرؔ تو برحق ہے ساحر ہے مگر کافر

حق بیں کو تو ہر باطل باطل نظر آتا ہے
مفعول مفاعی لن مفعول مفاعی لن
اخرب سالم اخرب سالم بحرِ ہزج سریع مزاحف اخرب سالم

رباعی

کچھ عقل کا دخل ہے نہ پرواز کا کام
معبود کی دین ہے مگر ''سحر'' کا نام
مفعول مفاعلن مفاعیل فعول
مفعول مفاعلن مفاعیل فعول

قفس کے ہے میگھ راگ میں چشمک برق
یا ''سحر'' سے ہم کلام ہے حسنِ تمام
مفعول مفاعلن مفاعیل فعول
مفعول مفاعلن مفاعیل فعول

امید ہے کہ میرے جواب سے آپ مطمئن ہو گئے ہوں گے۔ مزید کوئی بات تفصیل طلب ہو تو لکھیں۔ آپ نے دو غزلیں برائے مطالعہ ارسال فرمائی تھیں۔ اس کے لیے بھی شکریہ۔ دونوں غزلیں آپ کی قادرالکلامی کی عکاس ہیں۔ بحرِ سریع والی غزل

''خشک ابھی شاخِ انتظار نہیں ہے۔''
مفتعلن فاعلات مفتعلن فع

وزن میں آپ نے عروضی نکتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ حالانکہ بہت گنجائش ہے۔ دوسری غزل بھی آپ کے تخلیقی مزاج کی آئینہ دار ہے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ محترم کمال صاحب کی خدمت میں آداب۔

خاکسار تنویر چشتی

کانپور

۱۱ر نومبر ۱۹۸۱ء

مخلص مکرم السّلام علیکم!

نوازش نامہ باعث مسرت ہوا۔ آپ نے بہت تاخیر سے جواب مکتوب ارسال فرمایا۔ میں بے چینی سے منتظر تھا۔ آپ کے مکتوب گرامی میں کچھ باتیں حیرت کا باعث ہوئیں۔

مشفق من میں نے تو صرف حضرت سحرؔ عشق آبادی کے تخلص ''سحر'' کی وضاحت چاہی تھی کہ وہ بروزن ''مہر'' ہے یا بروزن ''قمر'' تاکہ ارکان تقطیعی میں حرکات وسکونات سے اس کی مطابقت پیشِ نظر رہے۔ خدانہ خواستہ کوئی پہلوئے اعتراض تو تھا نہیں۔ مزید برآں جناب نے بند کے لیے اتنا اہتمام کیا جیسے میں ایسے مشہور بنام الفاظ ''سحر'' بروزن ''مہر'' بمعنی جادو سے بے خبر ہوں یا سحر بروزن ''قمر'' بمعنی صبح سے آگاہ نہیں ہوں۔ بندہ نواز اردو اور فارسی کے جن لغات کا آپ نے حوالہ دیا ہے ان لغات کا ماخذ صراح، قراح، الجوہر، برہان قاطع، بہارِ عجم اور غیاث وغیرہ میری مختصر لائبریری میں موجود ہیں۔ فارسی یا عربی لغات کے اہم امور ان سے بدرجۂ احسن معلوم ہو جاتے ہیں۔ پھر مجھے فارسی یا عربی کے الفاظ کے صحت اعراب ومعانی کے لیے ان اردو لغات کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مثال کے طور پر لفظ سحر کے جو معنی آپ نے اردو لغات سے لکھے ہیں ان معنی کے علاوہ اور کیا کیا معنی ومفہوم صرف غیاث نے لکھے ہیں ملاحظہ ہو:

''سحر'' بالکسر افسوں وجادو کردن وفریفتن و بفتحتین وقتِ آخر شب وزمان پیش از صبح از منتخب وبحر الجواہر و صراح وبعضے نوشتہ کہ سحر آن وقت را گویند کہ ششم حصہ از شب ماندہ باشد یعنی چہار پنج گھڑی شب باقی بود از لطائف اور یہ جو سحر بفتحتین وقتِ آخر شب وزماں پیش از صبح تحریر ہے۔ انھیں بحور میں میں نے اپنی ایک فارسی غزل کا لفظ استعمال کیا ہے ملاحظہ ہو:

پیش از صبح نگاہیم بہ خور شید رسد
ہم عناں وقت نہ گر در بہ رم تو من ما

یہ غزل جب میں نے لکھی تو غالبؔ کی فارسی غزل کا یہ مشہور مقطع پیشِ نظر تھا:

ماند بو دیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گرد دفن ما

غزل کہہ لینے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ غالبؔ کی پوری غزل دیکھ لینی چاہیے، لہٰذا کلیاتِ فارسی مرزا

غالبؔ میں وہ غزل دیکھ کر طبیعت مطمئن ہوگئی۔ کسی شعر میں توارد کا شائبہ نہ تھا۔

اس غزل کے شعر میں جو ''کمیں گاہِ خیال'' کا ٹکڑا ہے وہی میں نے اپنے زیرِ طبع مجموعۂ کلام کا نام تجویز کیا ہے بحرِ منسرح میں جو اپنی غزل میں نے بھیجی ہے اس کے اوزان کے بارے میں آپ نے درست فرمایا ہے کے اس میں زحاف کی اور بھی شکلیں ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا لیکن بندہ نواز یہی وزن عام طور پر شعرا کو ہضم نہیں ہوسکتا دیگر اوزان تو ان کے خفقان کا سبب ہوں گے، حقیقت تو یہ ہے کہ اردو کے شاعروں نے کیا متقدمین کیا متاخرین کبھی چند منتخب بحور سالم اور ان کے فرعوں کے علاوہ تہہ دار اوزان میں بہت کم اشعار لکھے ہیں۔ متقدمین سے متاخرین تک یہی عالم ہے ویسے میں نے تفریحِ طبع کی خاطر کئی غزلیں ذو وزنین لکھی ہیں اور کچھ طویل مطلع ملاحظہ ہوں:

۱ محو گلزار تکلم میں ہیں سب میرے ندیم
ہر طرف پھیلی ہے گلہائے تغزل کی شمیم

۲ باہمی ربط ومحبت کا یہاں جلوہ ہے عام
نقش ہندی کو بھی چمکائے ہے اردو کا نظام

۳ جوہر خون سے تقدیر چمن لکھتے رہے
برق کی رو کو امیدوں کی کرن لکھتے رہے

۴ غم کی ہے موجیں لیے جام غزل
نور سے پر ہے میری شام غزل

(مشتمل چہار اوزان)

مخلص
کوثرؔ جائسی

۱۹/دسمبر ۱۹۸۳

قبلہ خوانم یا پیمبر یا خدا یا کعبہ ات
اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانہ ام

بہر حال اسلام علیکم۔ تمنائے کہ از بیست سال در سینہ ام پرورش می یافت بفضلہٖ تعالیٰ بار آور شد واز زیارت جناب شرف یاب گشتم۔ از خلائے کہ در حیات شان بواسطہ وفات حسرت آیات .....قضا.....زخم دل مجروح را تازہ کرد۔ چہ توان کرد کہ تقدیر بدست وگر است۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ کلمہ ترجیع در قرآن از قدرت توضیح گریدہ است۔

بعد از رخصت از حضور عالی بدیدن یکی از اقربا بہ طلاق محل رفتہ قدرے بہ آنجا مکث نمودہ بمہمان خانہ نزد میزبان مہربان برگشتم ومنتظر بودم کہ جناب شان حسب فرمودہ خویش قدم رنجہ خواہند فرمود مگر طالع نارسا یاری نکرد مجبوراً خادم زادہ را بدردولت فرستادم کہ تا کہ اگر تشریف درشتہ باشندہ بقول ذوق مروم:

اے ذوقؔ کسی ہمدم دیرینہ سے ملتا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

لحہ چند پیش از پیش از زیارت جناب شان فیض یاب شدم بہر صورت شون زریں موہبت محروم ماندم نہ مجبوری خویش اشک حسرت ریختہ سنگ صبر بر جگر پر شرر بستہ رو براہ سفر شدم۔ بساعت چہار صبح از آنجا روانہ شدم وبساعت یک نصف النہار بخیریت وعافیت واہل وارد گشتم۔

انشا اللہ حسب توصیہ جناب شان مجمع آرای ہمفولت خویش کوشان گشتہ بعد از تکمیل بہر صورت ممکنہ بخدمت خواہم دسانید۔ امید کہ از عنایت نظر جناب شان دامن گدائے در خویش خالی نخواہند گزاشت:

چہ توان گفت از و ذوق تمنائے رخت
آتش شوق چساں سوخت دلِ مسکین را

دل مجروح بے بضاعت کہ از آتش ہجر احباب خاکستر محض دست در خود آن نیست کہ سینہ را چاک زدہ بوسیلہ چاپار بخدمت شان بفرستم۔ پر نہج

شوق دیدار تو دارد جان بر لب آمدہ

یاز گرود یا بر آید چیست فرمانِ شما

خدا کند کہ باز ہمان شب و روز ہائے گزشتہ را دریا۔ واز فیض ہمنشینی جناب شان مستفیض و مستفید شدم۔ آمین یارب العالمین۔

امید کہ از شحات علم سعادت رقم خویش محروم نخواہند دشت۔ چہ اکنون نشان پنج بندہ بصورت تحریر نشر و جناب شان موجود است۔ انشاءاللہ بجاب نوازش نامہ شان مسانحہ بکار نخواہد رفت۔ بخدمت جناب برادر محترم کمال صاحب عرض سلام برساختہ۔ اگر چہ دیدہ از دیدار شان محروم است مگر وقار شان بدل این بے وقار سکون باطفال دعا و خواہر محترمہ عرض کورنش برسانند۔

جناب مشتاق نظامی و کامل فتحپوری وزیب غوری و سلطان صاحب بنگالی و جناب محترم شارق ایرایانی وجلیل و شاعر فتحپوری و بےؔ صاحب ساحرؔ و کرار صاحب و تحسین صاحب و جناب وفا صاحب و شاہجہاں پوری وفنا نظامی و نشورؔ صاحب کانپوری و دیگر صاحبان ذوق سخن کہ اسمائے شان فراموش است از جانب من مخلص اہل فن عرض تسلیم و تکریم نیابتاً بغیر بایند زیادہ برایں:

غنچہ گیہایت نصیب دیدہ بیدلؔ مباد
چشم آں دارم کہ تا بینم گلستان نیمت

خادم الناس
غلام عباس
ہوش اصفہانی

۶/جنوری ۱۹۸۷ء

محترم و مکرم قبلہ کوثرؔ صاحب

سلام مسنون!

مزاجِ گرامی! کلکتے میں ایک مشاعرے میں جناب ''خورشید افسرؔ بسوانی'' کی زبانی آنجناب کے نام اور فن سے واقفیت ہوئی۔ ہوا یہ کہ میں میرؔ کی ایک غزل کے وزن کے سلسلے میں ملک کے عروض دانوں کی رائے جاننا چاہتا تھا۔ تبادلۂ خیالات میں افسر صاحب نے آپ کا نام نامی پیش کیا اور مجھے اس باب میں آپ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

ناگپور میں ایک صاحب جن کا نام شارق جمال ہے ایک سہ ماہی جریدہ میں جس کے وہ خود مدیر اعلیٰ ہیں میرؔ کی ایک غزل۔ ''کیا عبث مجنوں پئے محمل ہے میاں'' (پر اظہار خیال فرمایا) جس کا جواب میں نے بمبئی سے شائع ہونے والے روزنامہ اردو ٹائمز میں تفصیل سے دیا ہے۔ اس کا عکس آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ مضمون پڑھنے کے بعد آپ ہر بات سمجھ لیں گے۔ میرے مضمون کا جواب شارقؔ جمال صاحب نے اردو ٹائمز میں تو نہ دیا بلکہ اپنے جریدے میں خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اور اوراق کو.....قضا.....ہفوات سے پر کیا ہے جس کا جواب انشاءاللہ میں آئندہ دونگا۔

میرؔ کی غزل کے باب میں آپ کی گراں قدر رائے جاننے کا متمنی ہوں۔ تاکہ آپ کا مختصر خط یا رائے ناگپور سے شائع ہونے والے ایک دوسرے جریدے میں شائع کروں۔ مجھے علم نہیں کہ اس فن میں ملک میں اچھے کون سے با خبر فن کار ہیں۔ آپ کو علم ہو تو ان کے پتہ سے آگاہ فرمائیں۔ تاکہ میں ان کی بھی رائے طلب کروں اور شائع کروں۔

اردو ٹائمز کے ایڈیٹر نے اس بحث کی تکمیل میں کوتاہی کی اور بحث کے اختتام سے پہلے ہی مضامین کی اشاعت بند کر دی۔ شارقؔ صاحب خود تو جواب نہ دے سکے بلکہ اپنے قریبی شاعر کے نام سے میرے جواب میں مضمون شائع کروایا۔ (اردو ٹائمز بمبئی میں) جو عملی محاکمہ ہے اور صرف اس پر مشتمل ہے کہ جواہر العروض میں اس کے یہی ارکان ہیں (فاع لاتن، فاع لاتن، مستفعلن) لہٰذا آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ اس غزل کا صحیح وزن لکھ دیں تاکہ میں اسے شائع کرا سکوں۔

تابشؔ حلیمی

کانپور

۱۹؍جنوری ۱۹۷۸ء

عزیز مکرم تابشؔ حلیمی صاحب

سلام مسنون!

نوازش نامہ ۱۰؍جنوری ۱۹۷۸ء کو باصرہ نواز ہوا۔ میرؔ کی زیر بحث غزل جس کا مطلع ہے:

کیا عبث مجنوں پئے محمل ہے میاں
یہ دوانہ، باؤلا، عاقل ہے میاں

اس کی بحر و وزن کے سلسلے میں شارقؔ جمال صاحب نے جو کاوش کی ہے وہ محل نظر ہے۔ جو شخص بھی اصول فن سے باخبر ہے وہ ان کے خیالات سے متفق نہیں ہوسکتا۔ بحر جدید مسدس جو بزرجمہر کی ایجاد ہے اس کے ارکان فاعلاتن فاعلاتن مس تفع لن ہیں۔ جو معتبر کتب عروض مثلاً ''معیار الاشعار'' مصنفہ محقق طوسی۔ ''قواعد العروض'' مصنفہ علامہ قدر بلگرامی۔ ''بحر الفصاحت'' مصنفہ مولانا نجم الغنی رامپوری میں مندرج ہیں۔ بحر جدید میں فاعلاتن متصل ہے مس تفع لن منفصل بمقام عروض وضرب ہے مستفعلن متصل ہوتا تو زحاف رفع کے استعمال سے مزاحف رکن ''فاعلن'' حاصل ہوتا۔ اس طرح شارقؔ جمال صاحب کی خود ساختہ بحر جدید کو کسی بھی معتبر کتاب عروض سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل موصوف کو ''میاں'' کے وزن نے الجھا دیا۔ میاں کو میرؔ کی اس غزل میں بروزن ''کہاں'' نہیں بلکہ بروزن ''یاں'' پڑھنا چاہئے۔ کہ میرؔ کی زبان میں ''میاں'' کا تلفظی لہجہ ایسا بھی تھا۔ کسی کسی شعر میں ''میاں'' بروزن ''بیاں'' بھی ہے، جیسے اس شعر میں؛

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

اسی طرح ''تئیں'' کا استعمال بہ اختلاف تلفظ میرؔ کے یہاں ملتا ہے کچھ شعر ملاحظہ ہوں:

پہونچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
ہر حرفِ غم نے میرے مجلس کے تئیں رلایا گویا غبارِ دل کا پڑھنا کتاب نکلا

دوسرے انداز میں ''تئیں'' کا استعمال یوں ہے:

تا پھونکئے نہ خرقۂ طامات کے تئیں حسن قبول کیا ہو مناجات کے تئیں

سید ہو یا چمار ہو، اس جا وفا ہے شرط کیا عاشقی میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں

ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس طرح کے الفاظ جو شاعر کے یہاں دو مختلف وزن کے ساتھ نظم ہوئے ہیں ان کی صورتوں کا تعین غزل کی بحر وزن کے پیمانے سے جانچنے پر منحصر ہے۔ چنانچہ میرؔ کی زیر بحث غزل میں ''میاں'' کا وزن بروزن ''یاں'' ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اس غزل کا وزن ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلن جسے بحر رمل مسدس محذوف کہیں گے۔ بحر جدید میں مس تفع لن منفصل ہے اگر ''مستفعلن'' متصل ہوتا تو عمل زحاف ''رفع'' سے فاعلن حاصل ہوتا۔ اس سے زیادہ وضاحت وتشریح لاحاصل ہے۔ صاحب فن کو اشارہ کافی ہے۔

مخلص

کوثرؔ جائسی

کرنیل گنج۔ کانپور

۷/دسمبر ۱۹۸۷ء

محترم قبلہ وکعبہ کوثر صاحب

سلام مسنون!

مزاجِ گرامی!

آپ کا نوازش نامہ بہ متعلق میر کی ایک غزل کی بحر مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۸۷ء کو دستیاب ہوا تھا۔ انتہائی مسرت ہوئی۔ غالباً آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ کی خدمت میں میر کی ایک غزل کے شعر:

کیا عبث مجنوں پئے محمل ہے میاں
یہ دوانہ باولا عاقل ہے میاں

میں نے لفظ ''میاں'' کی تحقیق چاہی تھی۔ لفظ بروزن 'جاں' ہے یہ میرا خیال تھا آپ کا جواب بھی بعینہ میرا ہم خیال نکلا۔ نیز میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسے ناگپور سے نکلنے والے ایک ہفتہ روزہ میں شائع کرونگا۔ افسوس کہ وہ ہفت روزہ بند ہوگیا اور آپ کے فرمودات سے مستفیض ہونے کا موقعہ اہل ادب کو مل نہ سکا۔ خیر انہیں صاحب نے جریدۂ انقلاب میں کتنی غزلیں اس خیال پر نوٹ کے تحت شائع کروائیں کہ میں نے یہ تین بحریں ایجاد کی ہے۔ ان بحروں کی جو تصنیف ہے اس کا جواب میں نے ایڈیٹر کی رائے کے بموجب دیا ہے۔ اسے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ کئی جگہ کتابت کی غلطیاں ہیں نیز رواداری میں زحافات کے نام لکھے ہیں کہیں کہیں مجھے بھی سہو ہوگیا ہے۔ اپنی گراں بہا رائے سے مستفیض فرمائیں۔ میں نے موسیقی اور عروض کے اجمالی موازنہ کے بعد اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔ اس علاقے میں کوئی ایسا صاحب فن نہیں جس سے میں اس باب میں تبادلۂ خیالات کرسکوں۔ آپ کے جواب سے میری حوصلہ افزائی ہوگئی۔ نیز اپنی غلطیوں کی نشاندہی سے اصلاح کا موقع ملے گا۔

ایک اہم گزارش یہ ہے کہ میں ان دنوں ملازمت سے بحسن وخوبی سبکدوش ہوگیا ہوں۔ میری ملازمت کی عمر صرف بیس سال ہے۔ اس مناسب سے میری پینشن مجھ جیسے کثیر العیال کی کفالت کے لیے اس زمانے میں ناکافی ہے۔ دوسرے یہ کہ سردست میرے حق کی مجوزہ رقم جو P.F کی شکل میں ہے۔ ابھی ملی ہے۔ جس کا ایک حصہ قرض خواہوں کی نذر ہوگیا۔ لہٰذا نہایت ادب کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ بھائی کمال

جائسی اگر اسی علاقے کے مشاعروں کے لیے شعرا کی فہرست میں میرا بھی نام درج کردیں تو اس کی یافت میرا ایک بہت بڑا بوجھ کم کرنے کی ضامن ہوں گی۔ اخبارات میں بحیثیت انا ؤنسر اکثر محترم کمال صاحب کا نام نگاہ سے گزرتا ہے۔ آج کل شعرا کا انتخاب بھی اکثر جگہ ناظم مشاعرہ ہی کے ذمّہ ہوتا ہے۔ میں نے یو۔پی کے اکثر مشہور شہر بھی نہیں دیکھے۔ لکھنؤ، دہلی، کانپور وغیرہ میں اتفاق اب تک نہ ہوا۔

ہر چند کہ میری مشق ومزاولت کی عمر کافی ہے تاہم میں خود کو ایک مکمل شاعر نہیں سمجھتا۔ البتہ سامعین کے ذوق کا سامان یعنی گیت وغیرہ موجود ہے۔ ساتھ ہی آواز بھی اللہ نے بہتر دی ہے۔ آج کل کے مشاعروں کے لیے جس معیار کی ضرورت ہے اس پر میں پورا اترتا ہوں۔ آپ بھائی کمال کو میرا یہ خط ضرور دکھائیں۔ عرصہ ہوا ان سے میری ناگپور میں ملاقات ہوئی تھی۔ خدا جانے میرا خاکہ ان کی نگاہ میں ہے یا نہیں اس کے علاوہ بھی کہیں ہوئی ہے۔ بہرکیف میری مدد فرمائیں۔

فقط والسلام

نیازمند۔ جواب کا منتظر

تابش حلیمی (ایم اے۔ بی ایڈ۔ فارسی موسیقی)

۲/جون ۱۹۸۸ء

برادر محترم عمر صاحب آداب

سلام مسنون!

پیش کردہ دونوں اشعار کی بحر و وزن کا تعین یوں ہے۔

بحرِ ہزج مثمّن اخرب مکفوف محذوف و مسبغ

مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن (فعولان بھی دوسرے مصرعے میں)

۱ روشنی کی راہ میں دیوار ہے حائل

مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

۲ ہوتی ہے وہ بس خشمگیں ہونے سے نمایاں

مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

۱) میں روشنی کی 'ي' اور دوسرے میں خشمگیں کی 'ي' ساقط الوزن ہے۔

(جو حرف تقطیع میں نہیں آتے وہ یقیناً ساقط ہیں۔)

کوثر جائسی

مورخہ ۱۵/جون ۱۹۹۰ء

بلاک نمبر۔۳، فلیٹ نمبر۔۶

اٹالہ کالونی، الہ آباد۔۲۱۱۰۰۳

برادر مکرم جناب کوثر صاحب۔ السّلام علیکم

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ میں آپ کا ہم وطن آپ کا پڑوسی، آپ کی شاعرانہ عظمتوں کا قدرداں ہوں۔ میرا نام سبط احمد رضوی (قمر جائسی) ہے۔ میرے بڑے بھائی آل احمد عرف مسرت صاحب (اب مرحوم ہیں) سے آپ واقف ہی ہونگے۔ وہ آپ کے بھائی عزیز صاحب کے دوستوں میں تھے اور میں آپ کی بھائی شکور کا ہم جماعت۔ ہمارا گھر کے امام باڑہ، بڑا دروازہ کے پاس ہے۔ چار سال ہوئے اکاؤنٹینٹ جنرل آفس سے بہ عہدۂ آڈٹ آفیسر ریٹائر ہو کر الہ آباد میں مقیم ہوں۔

اس مختصر تعارف کے بعد میں اپنے اصل مقصد کو تحریر کرتا ہوں۔ میری بیٹی زینت زہرا الہ آباد یونیورسٹی سے ایم۔اے کرنے کے بعد پی۔ایچ۔ڈی کر رہی ہے۔ ریسرچ کے لیے اسے جو موضوع ملا ہے وہ یہ ہے۔ "قصبہ جائس کی علمی و ادبی خدمات" اس سلسلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنا قیمتی وقت اور قلمی تعاون دے کر لڑکی کی مدد اور مجھے شکر گزاری کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ جن امور پر آپ کی توجہ درکار ہے وہ یہ ہے کہ۔

۱۔ اپنی حالات زندگی اور منتخب کلام

۲۔ عزیزی کمال جائسی کے مختصر و چنندہ کلام

۳۔ جائس کے کسی اور شاعر کا کلام جو بھی آپ کے پاس ہیں موجودہ شاعر ہو یا ماضی کا خصوصاً

۴۔ نامی انصاری صاحب کا پتہ اگر آپ کو معلوم ہو۔

امید ہے کہ صاحبِ والا جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔ عزیزی کمال سلمہ بھی مدد کر سکتے ہیں۔ اس لیے مضمون خط.....قضا..... والسّلام

آپ کا مخلص

(سبط قمر جائسی)

۷۸۶

.06,1990926

3\6 Atala colony

Alahabad 211003

محترم جناب کوثر صاحب۔

السّلام علیکم

قبلہ والد صاحب (قمر جائسی) کے نام آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۱۶؍جون آج ۲۵ جون کو ملا۔ آپ کی عنایت اور مشفقانہ ہمدردی نیز ریسرچ کے ادبی مرحلہ میں آپ کے پرخلوص تعاون کے وعدے پر مجھے ازحد قلبی مسرت ہوئی۔ میں آپ کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ صورت حال یہ ہے کہ ریسرچ کے لیے مجھے جبراً جو موضوع دیا گیا ہے وہ اس لحاظ سے میرے لیے باعث فخر ضرور ہے کہ اس کا تعلق میرے وطن سے ہے۔ لیکن اس سلسلے میں مواد کی فراہمی کا جو مشکل ترین مرحلہ ہے وہ ایک لڑکی کے لیے کس قدر دقّت طلب ہے اس کا اندازہ آپ بخوبی کر سکتے ہیں۔ اول تو وطن میں ایسے باذوق افراد اب شاذ و نادر ہیں۔ جو ہیں انھیں کچھ معلوم نہیں اور جنھیں معلوم ہے وہ آپ کی طرح اتنے وسیع القلب نہیں کہ بخوشی تعاون کریں۔ بہرحال اگر آپ ہی کی طرح مجھے پانچ سات ہمدرد مل سکے تو میں انشاءاللہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گی۔ آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔ کتاب صرف تذکرۂ شعرا نہ ہوگی بلکہ اس میں نثری تالیف و تصنیف و ترجمہ اور جائس کے ان سربرآوردہ عالموں کا ذکر بھی ہوگا جنھوں نے اردو ادب کی خدمت کی ہے۔

مجھے جناب مہر جائسی مرحوم کی بیوہ سے کافی میٹر ملا ہے مگر افسوس وہ بھی پچھلے ماہ انتقال کر گئیں۔ موٹے طور پر ابھی مجھے خانوادہ پیرزادگان کی ادبی خدمات پر کچھ مواد نہیں مل سکا۔ شاہ متین اشرف (جیلانی)، شاہ نعیم اشرف (ننھے میاں) اور مقصود اشرف صاحب سے والد صاحب نے گذارش کی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے بارے میں جو میٹر ہو اس سے مدد کریں۔

جائس کے اہل ہنود جنھوں نے ادبی خدمات کی ہیں۔ ان کے بارے میں بتانے والا کوئی نہیں ہے۔ راج کشور احقر، جانکی پرشاد میکشؔ اور شیونارائن لال اثرؔ میں صرف احقرؔ صاحب کے ایک شاگرد حبیب اللہ حاویؔ جو

اب پاکستان میں ہیں۔ (خدا کرے باحیات ہوں) ان کی چند غزلیں ہیں لیکن حالات نہیں معلوم۔ کیا آپ ان کے بارے میں کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔

مختصراً آپ کو اپنی رفتار سے آگاہ کر رہی ہوں۔ جائس کی جو علمی و ادبی ہستیاں ماضی و حال کی آپ کے علم و دانش میں ہوں ان سے آگاہ فرمائیے اور میری رہبری کیجیے۔ اور دوسروں کا جس قدر کلام آپ مجھے عنایت کر سکتے ہوں وہ دیجیے۔ میں واپس کر دوں گی۔

چھنّا صاحب حسین (جائسی ولکھنوی) مجاور حسین تمنّا (جائسی ولکھنوی)، ساجد حسین فہیم، صدقؔ، مانیؔ، عاشقؔ، ظفر مہدی گہرؔ پر مضامین تیار کر چکی ہوں۔ قدسیؔ پر میٹر موجود ہے۔ آپ سے مزید رہبری کی خواہش ہے۔

امید ہے کہ آپ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔ آپ کا اور کمال صاحب کا مجموعہ کلام میں کسی کی معرفت آپ سے منگانے کی کوشش کروں گی تاکہ بحفاظت پہنچ سکے۔ آپ کے عنایت نامہ سے جس خلوص و محبت کا اظہار ہوتا ہے اس سے قوی دل ہو کر آپ سے زحمت کشی کی جسارت کر رہی ہوں۔ امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کی بھتیجی

زینت زہرا رضوی

۶/۳ اٹالہ کالونی، الٰہ آباد

۶/۳ اٹالہ کالونی، الٰہ آباد۔ ۲۱۱۰۰۳

مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۹۰ء

برادر محترم جناب کوثر صاحب السّلام علیکم

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

''کمیں گاہِ خیال'' اور کمال سلمہ کا رنگین گلدستہ ''سادہ ورق'' دونوں مجھے مل گئے ہیں۔ آپ کی عنایت اور کرم فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔ زینت اور خود میں باری باری ان شعری مجموعوں کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایک عرصہ دراز بعد آپ کا کلام اکٹھا کتابی شکل میں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اس سے بھی زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کہ جناب نے کتاب کا انتساب تمام اہل وطن کے نام کیا ہے۔ یقیناً آپ بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ''تجھ سے اے روحِ وطن کتنی عقیدت ہے مجھے''

مآتی جائسی کے خیال کا تضاد سامنے آ گیا جو یہ کہا کرتے تھے:

مجھ کو مٹّی بھی نہیں اپنے وطن کی منظور
اب رہوں گا میں کہیں ریگِ بیاباں کے تلے

آپ کی دونوں کتابیں میرے پاس بحفاظت رکھی رہیں گی اور عندالطلب حاضر کی جائیں گی۔

۱۔ اپنے اور کمال بھائی کے بارے میں کچھ مزید حالاتِ زندگی

۲۔ جائس کے دوسرے شعرا کے بارے میں کچھ کلام آپ سے مل سکتا ہو تو تحریر فرمائیں مثلاً صدقؔ، زخمیؔ، حادیؔ، موجدؔ، نامیؔ، مفتوںؔ وغیرہ۔

۳۔ کچھ اپنے خاندان کے بارے میں روشنی ڈالیں یعنی اپنے دادا اور ان کے بھائیوں کے نام، آپ کے والد کتنے بھائی تھے۔ آپ کے کتنے بھائی ہیں (تھے)

۴۔ اور شیلانگ، خاندان میں سے کون گیا۔ آپ نے کہاں ملازمت کی اور کب ریٹائر ہوئے۔ موجودہ شکل کیا ہے۔ کمال سلمہ کیا کام کرتے ہیں۔

میری جانب سے کمال صاحب سلمہ کو دعائیں کہئے گا۔ زینت سلمہا آپ دونوں کو دعائیں کہتی ہیں۔

والسّلام
خیر اندیش
سبط احمد قمر جائسی

بنام جناب سلیم دردؔ لکھنوی

کانپور

۲۳/نومبر ۱۹۹۰ء

محبّی وعزیزی الحاج محمّد سلیم دردؔ صاحب

سلام مسنون

آپ کا مجموعۂ کلام ''متاعِ درد'' نظر نواز ہوا۔

مجموعہ جس اہتمام وحسن سے طبع ہوا ہے وہ قابل رشک ہے۔ اتنے خوبصورت اور حسین مجموعے کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں آپ مخلص ہیں اور اپنے ہیں۔ لہٰذا اس کی شہرت میرے لیے بھی باعث فخر ومسرت ہے۔ اس مسرت کے ساتھ اگر آپ کے متعلق کوئی نامناسب بات ہو تو وہ بھی میرے لیے تکلیف دہ ہے۔

اس بہترین مجموعے میں کچھ غلطیاں کافی تعداد میں دیکھنے کو ملیں۔ جس کے ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ جب آپ کے قریب مجموعے کے چھپتے وقت جناب اسیرؔ برہانپوری جیسے باخبر ومعتبر شخصیت کی موجودگی تھی۔ اگر انھوں نے کتابت سے پہلے بغور دیکھ لیا ہوتا تو یقیناً یہ غلطیاں نہ رہ جاتیں۔ میں مثال کے طور پر کچھ اغلاط کی نشاندہی کرتا ہوں۔

ص ۸۶ پر مصرع ہے

اس واسطے رکھی نہیں ہڈی زبان میں

''رکھی'' بروزن مکھی ہے۔ بروزن سکھی نہیں ہے۔ ص ۱۲۹

اک عمر دردؔ کی گذری ہے باکمالوں میں

اس مصرع میں یہ قباحت ہے کہ ''عمر'' کا ''ع'' تقطیع سے خارج ہے۔

''گ'' ''م'' سے جاملا ہے۔ ص ۱۳۳

رنگِ چاہت پھوٹ کر نکلا ترے رخسار سے

''رنگ چاہت'' غلط ترکیب ہے۔ رنگ فارسی، چاہت ہندی ہے۔ اساتذہ نے اسے جائز نہیں رکھا۔ دہلی اور لکھنؤ کے تمام معتبر سخن سنج ایسی تراکیب سے معترض رہے ہیں۔ ص ۱۷۲ پر پھر ایسی ہی غلط تراکیب ہے ملاحظہ ہو۔

جب سے چھائی گھٹائے آزادی

''گھٹائے آزادی'' کی تراکیب کوکون جائز کہہ سکتا ہے۔گھٹا ہندی، آزادی فارسی ہے۔ص ۱۸۷

بشکل سانس اترا نور احمد بزمِ ہستی میں

''بشکل'' سانس بھی گھٹائے آزادی کی طرح غلط ترکیب ہے۔اسی صفحہ پر یہ مصرع ہے۔

سبحان اللہ منظر سبز گنبد کے نظاروں کا

''سبحان'' بروزن ''قرآن'' ہے۔یہاں پڑھنے میں ''سبحان اللہ'' پڑجاتا ہے۔

پھر صفحہ ۱۸۷ پر ہی یہ مصرع ہے۔

وہ جنت البقیع یعنی وہ ارض پاک نورانی

یہاں ''جنت البقیع'' وزن سے مطابق نہیں رکھتا اگر اسے جنت ال بقی پڑھتے ہیں تو ''ع'' تقطیع سے ساقط ہوا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ میں نے یہاں کم سے کم غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ورنہ فہرست اغلاط طویل ہے۔غلطیاں کئی قسم کی ہیں۔زبان کی، لغت کی، اوزان کی متروکات کی۔متروکات میں جیسے سدا (بمعنی ہمیشہ) ہر (بمعنی لیکن) وغیرہ۔

میں نے یہ غلطیاں دیکھ کر کمالؔ میاں کو ڈانٹا کہ اگر تم نے یہ تمام کلام دیکھا تھا تو پھر ان غلطیوں پر تمہاری نظر کیوں نہیں گئی۔ جواب میں انھوں نے کہا کہ مجموعے میں جو کلام چھپا ہے وہ میری نظر ہی سے نہیں گزرا۔ بہر طور اب اس کی تلافی یوں ہوسکتی ہے کہ اغلاط کا احاطہ کرتے ہوئے ایک صحت نامہ مرتّب ہو اور کتاب کے آخر میں چسپاں کر دیا جائے۔اس سلسلے میں آپ جناب اسیرؔ بر ہانپوری سے مشورہ لے لیجیے کہ صحت نامہ کس طرح مرتّب کیا جائے۔امید ہے کہ میرے ان مشوروں کو آپ کسی انداز میں نہ دیکھیں گے یہ اپنوں کی بات ہے۔اپنوں ہی میں رہے۔ کیونکہ زمانہ حاسد اور کم نظر ہے۔میری طرف سے بچوں کو دعا کہئے اور میرے اس مکتوب کا جواب ضرور تحریر کیجیے۔

مخلص

کوثرؔ جائسی

۷۸۶

۲۴-۱۲-۱۹۹۰ء

۱۷/۱۲۴ رام نرائن بازار

کانپور

میرے محترم حضرت کوثرؔ جائسی

سلام ورحمت

طرحی غزلیں بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرمائیے۔حضرات کرشن موہن (دہلی) رادھے شیام پردھان (آریہ نگر۔کانپور) نے یاد فرمایا۔ان کے خطوط بھی منسلک ہیں۔ برادرم اخلاق حسین چشتی، بانی حسن عزیز اچھی طرح ہیں۔جناب رمزؔ سیتا پوری، جناب راقمؔ کانپوری، جناب سمیعؔ فرازؔ، جناب بقاؔ الٰہ آبادی تشریف لائے۔ تشریف لائیے کسی وقت۔راجہ بخیر وعافیت آج گھر آئے۔خدا کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے۔عزیزی کمال جائسی، دولھن کمال، عزیزہ بہار، بے بی کمال کو دعائیں۔پسندیدہ منتخب اشعار پر نشان لگا دیجئے۔شکریہ

طالب دعا

متینؔ نیازی

۶/اپریل ۱۹۹۱ء

حضرت کوثر صاحب جائسی سلام شوق!

اوائل رمضان یا ایک دو دن رمضان سے پہلے کی بات ہے کہ میں گھر گیا۔ ریڈیو کھلا ہوا تھا اور بہت مانوس آواز محسوس ہو رہی تھی۔ تحت میں آپ پڑھ رہے تھے۔ جب دوسری غزل کا مطلع آپ نے ترنّم سے پڑھا:

سکوں ملنے لگا تنہائیوں میں
نظر اتری ہے اب گہرائیوں میں

درد و لذّت کی ایک عجیب ممزوج کیفیت محسوس ہوئی۔ حسن اظہار و بیان دشوار ہے۔ آپ جب پڑھ چکے تو باہر چلا آیا اور مطلع ذہن پر چھایا رہا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کو فوری خط لکھوں مگر پتہ پاس میں نہ تھا۔ مولانا قمر شاہجہاں پوری کو خط لکھ کر پتہ منگایا مگر انسانی نفسیات کی بوالعجبی کہ پتہ آئے ہوئے دس دن ہو گئے اور توفیق تحریر آج ہو رہی ہے۔

بہت بہت سلام بہت بہت دعائے خیر و سلام

نعیم اشرف جیلانی

نوٹ: مولانا سید نعیم اشرف اشرفی جیلانی صاحب سجادہ حضرت مخدوم سمنانیؒ جائس تھے۔ پچھلے سال ان کا وصال ہو گیا۔ ان کے درس و ہدایت کا دائرہ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور ماریشش تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کے ہی صاحبزادگان میں مولانا سید کلیم اشرف جائسی، سید علیم اشرف جائسی اور سید ندیم اشرف جائسی (سابق چیرمین فخر الدین احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ) ہیں۔

۷۸۶

کانپور

۲۱ مئی ۱۹۹۱ء

محبی ناصر صاحب

سلام مسنون!

ادھر گھر میں نواسے اور نواسی کی شادی میں ۲۰ مئی ۱۹۹۱ء تک مصروف رہا۔ بڑی پریشانی کا سامنا تھا۔ خیر اللہ نے کرم کیا بہ حسن و خوبی ادا ہو گئے۔ اسی کے ساتھ الیکشن اور تعصب کی وبا بھی پھیلی۔ کانپور کا ماحول پر شور اور امن سوز ہو گیا۔ ممکن ہے ٹی۔ وی یا ریڈیو سے خبریں ملی ہوں۔ خدا سے دعا کیجیے کہ وہ محافظت فرمائے۔

خیر اندیش
کوثر جائسی

۱۴؍جنوری ۱۹۹۲ء

قبلہ محترم جناب

السّلام علیکم

خدا کرے آپ صحت مند ہوں

۶؍جنوری کو میں نے ڈی لٹ کے لیے اپنا فارم بھر دیا ہے۔ اور انشاء اللہ منظور بھی ہو جائے گا۔ موضوع ہے ''اُردو شاعری میں اسلوبِ بیان کا مقام''

اس میں بھی آپ کا پورا تعاون مجھے چاہیے ورنہ تنہا میرے بس کا کام نہیں۔ میری درخواست منظور ہو جائے اور آپ صحت مند ہو جائیں تو پھر مکمل گفتگو ہوگی۔ میں انشاء اللہ اس ماہ کے آخر میں دوبارہ کانپور پہنچوں گا۔

کمال بھائی سے میرا سلام عرض کیجیے گا۔

خادم

عشرت حسین

۶؍اپریل ۱۹۹۲ء

جائس

واجب التکریم

السّلام علیکم

میں صرف ایک روز کے لیے کانپور آیا تھا۔ بے پناہ مصروفیت اور روزے کے اوقات کی پابندی کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ شرمندہ ہوں۔

میری بھانجی جو کہ مقصود چچا کے بڑے لڑکے مسرور میاں سے منسوب ہیں۔ اس سال بی۔اے فائنل ایر کا امتحان دے رہی ہیں۔ آپ کی مدد کی اشد ضرورت ہے۔ مہربانی فرما کر انھیں گائڈ کر دیں۔ مشکور ہوں گا۔ آپ کو یا تو مسرور میاں خود لے جائیں گے یا پھر آپ کے آمد و رفت کا کوئی مقبول انتظام کر دیں گے۔

آپ کی رجسٹری کا ہنوز منتظر ہوں۔

نیاز مند

فاروق جائسی

۷۸۶

۵/اکتوبر ۱۹۹۲ء

مکرم و معظم استاذی محترم حضرت علامہ کوثرؔ جائسی

السّلام علیکم و رحمت اللہ

میں خیریت سے ہوں۔ جواب خط کے طور پر آنجناب کا گرامی نامہ نظر نواز ہوا۔ زحمتوں کے لیے انتہائی شکرگزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کلی عطا فرمائے۔ آمین! شعر:

آساں نہیں ہے نعت کا عنواں مرے لیے
مشکل ہے لکھنا دوسرا قرآں مرے لیے

کے سلسلے میں آپ نے مصرع ثانی کی جو عروضی وضاحت فرمائی ہے اس کا ماحصل یہ نکلا کہ چونکہ لفظ ''دوسرا'' کی سین متحرک ہے۔ لہٰذا شعر موزوں قرار پائے گا۔ اس لفظ سے متعلق جہاں تک میں نے چھان بین کی مجھے لغات میں ''دوسرا'' کی سین ساکن ملی (فیروز اللغات، بڑی تختی، علمی نعت، بڑی تختی، جامع اللغات، بڑی تختی) شعر متذکرہ میں لفظ ''دوسرا'' ایسے مقام پر لایا گیا ہے یا اس کا املا اس طرح ہے کہ سین کو متحرک کرنے کا کوئی ضابطہ نہیں بن پڑتا۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا اس بحر کے اوزان اس طرح بھی قائم کیے جاسکتے ہیں؟

'' مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن ''

تکمیلِ حکم

لیتۂ بلیّغ مِ دل میں سَ بق ہنوز لیکن یِ ہیکِ رفت گیا اورَ بُو دتھا
مفعول فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلان/فاعلن مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن

جاتی ہَ کو اکشِ مَ کشندہ ہَ عشق کی دل بھی اَ گر گیا تُ وہی دل کُ ن دردتھا

مفعولُ فاعلاتُ مفاعیل فاعلن مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن

گوہر کُ . عقدِ گردَ نِ خوبامِ دیکھنا کیا اوج . پرستارَ اِ گوہر فَ روشن ہے
مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن مفعول فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن

عشق برےہ خیال پڑا ہے چین گیا آ ....ہی گیا
فعلُ فعولُ فعول فعولن فعلُ فعولن فعلُ فَعَل

دل کا جانا ٹھیر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا
فعلن فعلن عفلُ فعولن فعلُ فعولن فعلُ فَعَل

یاں کِ سپیدُ سیاہُ مِ ہم کو دخل جُ ہے سو اتنا ھے
فعلُ فعولُ فعول فعولن فعلُ فعولن فعلن فع

راتَ گُزرو صبح کیا ار دن کو جوں توں شام گیا
فعلُ فعولن فعل فعولن فعلن فعلن فعلُ فَعَلُ

ضمناً عرض پرواز ہوں کہ سال گذشتہ ماہ ستمبر میں محترم ''شمس الرّحمٰن فاروقی'' کے اعزاز میں کل ہند ادیبوں کی ایک کانفرنس اس سلسلے میں منعقد کی گئی تھی کہ موصوف نے میرؔ پر جو گرانقدر تصنیف ''شعر شور انگیز'' فرمائی ہے۔ جس کے دو حصّے شائع ہو چکے ہیں کہ اس کتاب کے محاسن پر خاطر خواہ روشنی ڈالی جائے۔ ''شعر شور انگیز'' کے صفحہ ۱۹۶ پر موصوف نے میرؔ کے تین الگ الگ مصرعوں کو خارج اوزان لکھا ہے۔

غم و اندوہ عشق سے ہر لحظہ نکلتی رہتی ہے

تقطیع فرمائی ہے۔ فَعلُن فَعلُن فَعلُن فَعلُن فَعلُن فَعلُن فع

بیٹھا ہوں کھڑے پاؤں میں کچھ چلنے میں تو درنگ نہیں
فَعلُن فَعلُن فَعلُن فَعلُن فَعلُن فعل فعول فعل

رنگ اِس کا کہیں یاد نہ دے زنہار اس سے کچھ کام نہ لے
فَعلُن فَعلُن فعل فعولن فَعلُن فَعلُن فعل فعل

کانفرنس میں میں نے مصنف کے اس خیال کی تردید کی تھی اور عرض کیا تھا کہ اوزان جناب نے غلط قائم کیے ہیں۔ اپنے کیے ہوئے اوزان لکھ کر بھی لے گیا تھا۔ خلاصہ اس طرح ہے۔

۱۔ مصرع سہو کتابت کا شکا معلوم ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے مصرع یوں ہو۔

۱۔ عمر اندوہِ عشقی سے ہر لحظہ نکلتی رہتی ہے

عمرِن دوہے عشقی سے ہر لحظ نکلتی رہتی ہے
فَعلُن فَعلُن فَعلُن فعل فعولن فعلن فع

۲۔ بیٹھا ہوں کھڑے پاؤں میں کچھ چلنے میں تو درنگ نہیں

بیٹھا ہوں کھ ڑپاؤں میں کچھ چلنے میں تُ درنگ نہیں
فعلن فعلُ فعولن فعلن فعلُ فعولُ فعل

۳۔ رنگ اِس کا کہیں یاد نہ دے زنہار اس سے کچھ کام نہ لے

رنگس کاک ہیادَ ندےزن بارس سےکچھ کام نلے
فَعلُن فعل فعول فَعولن فَعلُن فَعلُن فعل فعل

بہر حال فاروقی صاحب کا بڑا پن ہے کہ جوابی تقریر میں موصوف نے میری بات کو وزن دیا اور اعتراف کیا کہ ''اس طرح میری نظر نہیں پہنچی تھی''

امید ہے آنجناب آئندہ یہی مشفقانہ رویہ برقرار رکھیں گے اور اپنے گرانقدر تحریروں سے نوازتے رہیں گے۔ والسّلام۔

برادر کمال جائسی صاحب کو اور دیگر متعلقین کی خدمت میں

السّلام علیکم

خادم

شمیم حیدر (ٹیچر)

محلّہ کڑہ، پوسٹ ردولی ۲۲۵۴۱۱

ضلع بارہ بنکی

۲۰/اگست ۱۹۹۳ء

محترم علاّمہ کوثر جائسی صاحب

السّلام علیکم

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔اتر پردیش اُردو اکادمی میں آپ کی نامزدگی میرے لیے باعثِ مسرت ہے۔میری طرف سے مبارک باد قبول فرمایئے۔میں بھی آپ کے ساتھ اس اکادمی کا ایک رکن ہوں۔میرا تعلق صحافت سے ہے۔اتر پردیش کے مشہور و ممتاز اردو روزنامہ سیاست جدید سے وابستہ ہوں۔اس کے علاوہ صوبہ کے کئی ہندی اخباروں اور پاکستان و برطانیہ سے نکلنے والے اردو جرائد کے لیے بھی مستقل طور پر لکھتا رہتا ہوں۔

میری دلی خواہش ہے کہ اردو کی ترقی اور اس کے فروغ کے لیے اردو اکادمی کے ذریعہ کچھ کر گزرنے کی خاطر ہم لوگ چار چھ ماہ کے وقفہ سے ایک بار ہونے والی میٹنگ کا انتظار کیے بغیر اپنے مشورے اکادمی کے ذمہ داروں کو بھیجتے رہیں گے۔اور ساتھ ہی اس کی ایک کاپی تمام ممبران کو بھی۔تاکہ جب میٹنگ ہو تو سب لوگ ایک دوسرے کے خیالات اور مشوروں سے آگاہ رہ کر مشترکہ طور پر اردو اکادمی کے پروگراموں کو کامیاب کرنے اور اردو کے فروغ کو نظر میں رکھتے ہوئے کوشش کریں۔میرے لائق جو بھی خدمت ہو ضرور آگاہ کریں۔

شکریہ! فقط

نیازمند

جمیل نعمانی

۷۸۶

۱۵/اگست ۱۹۹۴ء

مخدومی مکرمی السلام علیکم

مزاجِ گرامی

فقیر۔حقیر سراپا تقصیر حبِ جاناں کا اسیر تادم تحریر خیریت خواہ بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔حامل وقعہ دلشاد نیازی جو میرے ادبی دوست ہیں۔ان کا مجموعہ کلام زیرِ طبع ہے۔چند غزلیں جو خدمت عالیہ میں پیش کی جا رہی ہیں اپنے کمال علم و فضل سے ملاحظہ فرماتے ہوئے چند سطور تحریر فرما دیں۔ویسے نیازی صاحب کے کلام میں تغزل کے ساتھ تصوف کی گہری چھاپ ملتی ہے۔نیازی صاحب شیدائے ادب ہیں۔جمالیات کے شاعر ہیں۔ذی علم اور باخبر آدمی ہیں۔حقیر شاہ ہدیہ بھی قبول فرمائیں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

آپکی پرخلوص دُعائے خیر کا طالب

حکیم شوخ مجددی

گرسہائے گنج، فرخ آباد

نوٹ : احقر جے پور راجستھان اور دہلی کے سفر کی تیاری میں مصروف ہے ورنہ حاضر خدمت ہوتا۔

۱۹۹۴/۹/۱۷ء

محترم کوثر چچا السّلام علیکم!

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ رائے بریلی کے مشاعرے میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ ایک بار آ کر گھر گھوم جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم لوگوں پر برقرار رکھے۔ آمین۔ لیکن اب آپ زندگی کے آخری دور سے گزر رہے ہیں۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ آپ ضرور وطن تشریف لائیں۔ ویسے تو مجھے بھی احساس ہے کہ وطن کے لیے جو کچھ آپ نے کیا اُس کے بدلے میں وطن والوں نے آپ کو کچھ نہیں دیا۔ یہاں لوگ فقط اپنے مفاد کی خاطر جیتے ہیں۔ ہم غریبوں کے پاس محبت کے سوا اور کیا ہے۔ خیر ایک مسئلہ فی الحال میرے سامنے ہے۔ آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔ یہاں جائس میں ایک شعر پڑھا گیا جو میری نظر میں مہمل ہے۔ میں مزید آپ سے جاننا چاہتا ہوں کہ کہاں تک اس شعر میں خامی ہے یا کہ یہ شعر درست ہے۔ میں آگے اب بحث نہیں کر رہا ہوں کہ کہیں میں غلط بحث تو نہیں کر رہا ہوں، شعر یہ ہے

جس سے قرآن ہو گیا قرآں　　وہ فسانہ میرے حضور کا ہے

(قمر جائسی) مسلک سے قمر صاحب شیعہ ہیں۔

محترم چچا مجھے لفظ فسانہ پہ اعتراض ہے۔ اختلاف تو مجھے اس شعر ہی سے ہے لیکن لفظ فسانہ میری سمجھ کے باہر ہے۔ لہٰذا آپ سے میری گذارش ہے کہ آپ اپنے اس بیٹے کو جو بہت ہی کم پڑھا لکھا ہے اصلاح سے نوازیں۔ کمال بھائی کو میرا بہت بہت سلام عرض کیجیے گا۔ یہاں جائس میں سب خیریت ہے۔ عبدالغفار چچا خیریت سے ہیں۔ میری ملاقات روز ہوتی ہے۔ اگر تحریر میں ادبی گستاخی ہوئی ہو تو بحیثیت بیٹا میں معذرت چاہتا ہوں۔

فقط دعاوں کا طالب

آپکا خادم

علی حسن خان فلکؔ جائسی

بن محمد احمد خان

۷۸۶

کانپور ۱۵/ستمبر ۱۹۹۴ء

عزیز مکرّم جناب فلک جائسی

السّلام علیکم

آپ کا مکتوب ملا۔ تحریر کردہ شعر

جس سے قرآن ہو گیا قرآں
وہ فسانہ میرے حضور کا ہے

اس میں بحث نہیں کس کا ہے۔ لیکن حضورؐ کے تذکرے کو فسانہ کہنا قطعی نامناسب ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بے ادبی ہے۔ شعر کا مفہوم بھی الجھاؤ کا حامل ہے۔ آپ کا اعتراض درست ہے۔ کبھی کبھی اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہئے۔ پرسانِ حال کو سلام اور عزیزی عبدالغفار میاں کو دعا کہئے۔

خیر اندیش

کوثر جائسی

۹۵/۱۰۲ کرنیل گنج، کانپور

۲۰ ستمبر ۱۹۹۴ء

محترم کوثر صاحب

السّلام علیکم

مجھے یہ تو معلوم نہیں ہے کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ میں جب کانپور میں تھا تو آپ ایک مل میں کانٹین انچارج تھے۔ اور اپنے بچوں کی پرورش کے لیے اپنی شاعری اور شاعرانہ صلاحیت کو قربان کرتے رہے۔

وہ زمانہ اچھا تو نہیں تھا اور پھر حالات کیسے رہے معلوم نہیں۔ میرا ضمیر گوارہ نہیں کرتا کہ مفت محنت کراؤں آپ سے سر دست پچاس روپیہ آپ کی نظر کر رہا ہوں۔ اسے قبول کیجیے۔ اور یہ بھی کہ میں شاعری کے پیسے نہیں کماتا ہوں۔ وہ صلاحیت مجھ میں نہ پہلے تھی نہ اب۔ اب تو ضعیفی کے دن ہیں۔ آپ سے میری عمر میں ۵ سال کی کمی ہے۔ اور محنت مزدوری کرنے والا آدمی ہوں۔ کھانا اچھا نہیں ملنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ یہ شاعری کا چسکہ مجھے جیل سے لگا۔ بغاوت کے الزام میں بند تھا ۱۹۵۳ء میں جیل سے رہا ہو کے جلاوطنی کی حالت میں کانپور آیا تھا۔ میں رامپور میں رہ نہیں سکتا۔ دس برس کانپور، دس برس مالیگاؤں۔ ۲۴ برس سے یہاں ہوں کوئی استاد فن کے قریب رہنا نصیب نہیں ہوا۔ بس اپنے ذوق کی تسکین کے لیے کہتا ہوں۔ کبھی عروض کی معلومات میسر نہیں اور اب تو بھولنے کی بیماری نے پریشان کر رکھا ہے۔ آنکھوں میں موتیا کی بیماری ہے۔ نعتیہ تین شعر بھیج رہا ہوں یہ دیکھ کر کچھ اضافہ کر دیجیے۔

ابھی اس کا عرفان سب کو کہاں ہے
کلام خدا مصطفٰے کی زباں ہے
بلا لیجیے یا محمّد مدینے
مری زندگی مجھ پہ بار گراں ہے
نہیں جس میں آباد یاد محمّد
وہ دل ، دل نہیں کوئی اجڑا مکاں ہے

راہی عارفی

مورتیا خاں کی چال
وٹھل نگر نار پوتی، بھیونڈی

۲ فروری ۱۹۹۵ء

مکرم و معظم استاذی محترم حضرت علاّمہ کوثر جائسی

السّلام علیکم ورحمت اللہ

بہت عرصے کے بعد خط لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

وفا صاحب سے معلوم ہوا تھا ان دنوں جناب کی علالت کا کوئی ہلکا پھلکا سلسلہ چل رہا ہے۔ خدا کرے اب صحت مند ہوں۔ وفا صاحب سے روز ملاقات ہوتی ہے۔ آپ کے تذکرے بھی ہوتے ہیں۔

ردولی کی ادبی فضا پر آج کل بڑا جمود طاری ہے۔ ان دنوں وطن اساتذہ سے خالی ہے۔ کبھی کبھی طرحی یا بہاریہ نشست ہو جاتی ہے۔ جن میں شعرا کی تعداد بڑی قلیل ہوتی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کافی شعرا وطن سے دور ہیں۔ پندرہ روز ہوئے ہیں یہاں ایک نعتیہ مشاعرہ ہوا تھا۔ طرح تھا ''آپ تشریف لائے سحر ہو گئی'' ایک شاعر نے صفر کا قافیہ نظم کیا تھا جس پر کچھ افراد کو اعتراض تھا کہ اصل لفظ صِفر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صفر بولا جاتا ہے۔ بہر حال اس میں آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

نیاز احمد سحر صاحب سے جو میری بحث بذریعہ قومی آواز جاری تھی وہ میرے مضمون ''شکست ناروا کیا ہے'' پر ختم ہو گئی۔ ماہ نومبر ۱۹۹۴ء کے ایوان اردو میں حسن اقبال کا مضمون نکلا تھا جس میں موصوف نے میر، سودا، مصحفی، سردار جعفری وغیرہ کے متقارب کے مصرعوں کو خارجِ اوزان بتایا تھا اور اپنے وضع کردہ اوزان سے انھیں موزوں ثابت کیا تھا۔ اس کے جواب میں خادم نے مختصر سا مضمون جس میں اوزان کے ساتھ ان مصرعوں کو موزوں ثابت کیا ہے۔ ماہ جنوری کے ایوان اردو کے گراں نامے والے حصے میں شائع ہوا تھا۔

باقی حالات بدستور ہیں۔ ان دنوں میری آنکھوں میں زیادہ تکلیف ہو گئی ہے۔ لکھنے پڑھنے میں بیحد دشواری ہے۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے۔ جملہ متعلقین کی خدمت میں سلام علیکم

خادم

شمیم حیدر

۲۰/مارچ ۱۹۹۵ء

محترمی جناب

کوثر جائسی صاحب

''صوفی سادھنا سمیتی کی جانب سے'' جائسی نمبر شائع کرنے جا رہے ہیں۔لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل موضوعات پر مضمون اور پیغام تحریر کر کے ارسال کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

۱۔ علما جائس ۲۔شعرا جائس ۳۔ادبا جائس ۴۔صوفیا جائس

۵۔ مہاکوی ملک محمد جائسی

۲۔ عظیم مزاح نگار اور باوقار شاعر سیّد ریاست حسین رضوی شوقؔ بہرائچی کی حیات اور شاعری سے متعلق ایک ضخیم جلد شائع ہونے جا رہی ہے۔جس کے لیے مضمون اور پیغام درکار ہیں۔ساتھ ہی دیوانِ شوقؔ الموسوم بہ ''طوفان'' جلد ہی منظرِ عام پر آ رہا ہے۔لہٰذا آپ سے اور آپ کے ادب نواز رفقا سے درخواست ہے کہ مضامین تحریر کر کے ارسال فرما دیں تا کہ کتاب اور دیوان کی شان دوبالا ہو سکے۔

سیّد مصطفٰے حسین نقوی اسیفؔ جائسی

امام باڑہ، نواب صاحب سیّد واڑہ،

بہرائچ

نوٹ: مولانا سید مصطفٰے حسین نقوی اسیفؔ جائسی بہت مستند شاعر اور ادیب ہیں۔ادب شاعری اور علم ورثہ میں ملا ہے۔رسالہ ''شعاعِ عمل'' کے مدیر ہیں جو مولانا کلب عباس جواد صاحب کی سرپرستی میں تواتر کے ساتھ لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔جائس کے علما، شعرا اور ادبا کے قلمی نسخے آپ کی تحویل میں محفوظ ہیں۔پٹنہ یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کر رہے ہیں۔

۲۰/فروری ۱۹۹۷ء

محبّ مکرم کوثر صاحب

سلام مسنون!

آپ کا لکھنؤ آنا جانا بس ایسا ہی لگا کہ جیسے

''آنا بھی تیرا خواب تھا جانا بھی خواب ہے۔''

بہرحال آپ کی آمد سے دل کو تسلی ضرور ہوئی کہ میں نے ایک بار اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔اور مجھے پورا اطمینان ہے کہ آپ کو بہت جلد صحت کلّی حاصل ہو جائے گی۔گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔آپ کے کانپور پہنچنے کی اطلاع مجھے فون پر مل گئی۔ شکریہ

فقط والسّلام

نوٹ: مفید الشعرا کا اقتباس پیش خدمت ہے۔''لفظ'' مختلف فیہہ ہے۔ناسخؔ نے مذکر فرمایا ہے۔

ہے طلب سے اس قدر نفرت کہ رہتا ہے خیال

آ نہ جائے لفظ لب پر باب استفعال کا

اشک مرحوم مونث کہتے ہیں:

وصل کی رات بنا نابۂ شوقِ گیسو

شام لفظیں ہیں سفیدی ہے سحر کاغذ کی

لیکن حق یہ ہے کہ اکثر فصحا کے نزدیک لفظ مذکر ہے اور مؤلف بھی ان کی تذکیر کا قائل ہے۔

آپ کا مخلص

عمرؔ انصاری

۲۳/اپریل ۱۹۹۷ء

امید ہے کہ اب آپ خیریت سے ہوں گے۔ مجھے فرصت (چھٹّی) نہیں مل سکی ورنہ ضرور حاضر ہوتا۔ پھر بھی میں کوشش میں ہوں۔ انشاالله جلد حاضر خدمت ہو کر کچھ نذر کروں گا۔ کافی روز سے خیال تھا کہ آپ سے دریافت کروں گا کہ ٹی۔ وی پر پروگرام ملنے کا کیا طریقہ ہے؟ آل انڈیا ریڈیو چھترپور سے مجھے گذشتہ ۱۸ برسوں سے مدعو کیا جا رہا ہے۔ لیکن ٹی۔ وی والوں نے آج تک پروگرام نہیں دیا۔ نومبر ۱۹۹۶ء میں دوردرشن لکھنؤ کے اسسٹینٹ ڈائرکٹر مسٹر زیدی نے مجھ سے چھ غزلیں طلب کی تھیں۔ ان کو ارسال کیے بھی عرصہ گزر گیا لیکن نہ پروگرام ملا نہ کوئی جواب ملا۔ اس ضمن میں رہنمائی فرمائیں کہ کیا کیا جائے۔ ۳۰/اپریل کو پھپھوند میں طرحی مشاعرہ ہے۔ اس سے قبل یا پھر یکم مئی کو انشاالله کانپور آنے کی کوشش کروں گا۔ امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

طالب دعا

رحمٰن ربّانی

۲۵/جون ۱۹۹۸ء

لکھنؤ

مکرمی محترمی

سلام و نیاز

''حاصل کلام'' کی رسم اجراء کے موقع پر ایک سوینیر کی اشاعت کا بھی پروگرام ہے اور ظاہر ہے عمر انصاری کا وہ سوینیر ہی کیا جس میں آپ کے اشاعت قلم شامل نہ ہوں۔

لہٰذا گذارش ہے کہ اپنا مضمون جلد از جلد عنایت فرما دیں تا کہ سوینیر کی تکمیل ہو سکے اور تقریب اجراء کے لیے کسی قریبی تاریخ کا تعین کیا جائے۔

کتاب ''حاصل کلام'' ارسال خدمت ہے

امید ہے مزاج بخیر ہوگا

فقط والسلام

آپ کا مخلص

عمر انصاری

نوٹ: عمر انصاری صاحب بہت اچھے شاعر، عروضی اور دوست پرور شخص تھے۔ کوثر جائسی کی کتاب ''کمیں گاہِ خیال'' فاروق جائسی نے ترتیب دے کر شائع کی۔ اس کی رسمِ اجراء شاہجہانپور (یوپی) میں ہوئی۔ اس سلسلہ میں جو آل انڈیا مشاعرہ ہوا وہ جناب عمر انصاری ہی کی صدارت میں ہوا تھا۔

۷۸۶

Shillong (Meghalay)

7.10.1999

جناب کوثر صاحب السّلام علیکم

آج سے ایک سال پہلے بھی آپ نے میرے ایک سہرے کو اپنے خوبصورت فن سے نکھارا تھا۔ آج پھر ایک ایسی ہی ضرورت آپڑی ہے۔ میرا سہرا آپ کے سامنے ہے۔ جو بحر اور وزن سے بالکل برہنہ ہے۔ شاید آپ کو ہنسی آجائے۔ پھر بھی بڑی امید سے بھیج رہا ہوں۔ اس امید سے کہ آپ استاذ الشعرا ہیں۔ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ اور اپنے بھی خوبصورت الفاظ سے نکھار دیں گے اور میری عزّت بھی بنا دیں گے۔

آپ کے بھائی وحید صاحب اور ان کے اہل وعیال خیریت سے ہیں۔ وحید صاحب نے آپ کو سلام اور کمال بھائی کو بہت شفقت لکھنے کے لیے کہا ہے۔

شادی اسی ماہ یعنی ۲۷/ اکتوبر بروز اتوار ہے۔ اس لیے اس سے پہلے دیکھ کر بھیج دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ جوابی لفافہ منسلک ہے۔ بس زیادہ اور کیا لکھوں۔ جواب کا منتظر رہونگا۔

نوٹ : بحر ضرور لکھیں تا کہ میں سمجھنے کی کوشش کر سکوں، اگر کسی وجہ سے یہ خط کوثر صاحب تک نہ پہنچے تو کمال بھائی سے گذارش ہے کہ وہ اسے دیکھ کر بھیج دیں۔

'' بہارِ حیات ''

برس رہی ہے یہاں ہر طرف خوشی کی گھٹا
سرور و کیف میں ڈوبی ہوئی ہے آج فضا

زمانہ مست ہوا اس ادا سے آئی برات
بڑھایا وقت کی انگڑائیوں نے جوش حیات

فضائے بزم طرب مشک بار ہے ساری
بساط عیش پہ بے رنگ و نور کی برسات

دیار حسن سے آیا پیام مہر و وفا
سرور و کیف میں ڈوبی ہوئی ہے آج فضا

(اصلاح شدہ)

آپکا رازؔ شیلا بگوی (عبدالحلیم رازؔ)

۲۱-۱۲-۱۹۹۹

اسم سبحانی

مشفقی کوثر جائسی صاحب

السّلام علیکم

پس از سلام راستمزاج معروض ایکہ بندہ نے شہر بہرائچ میں ایک کتب خانہ الموسوم بہ ''ملک محمد جائسی لائبریری'' قائم کیا ہے۔ جس میں تقریباً پچیس ہزار کتابیں ہیں اور زیادہ تر علما و شعرا دانشورانِ جائس و نصیر آباد (خاندان اجتہاد) یا ان کے تلامذہ سے متعلق ہیں۔ یہ لائبریری اس لیے تشکیل کی گئی ہے تاکہ جائس اور نصیر آباد کے علما و شعرا پر تحقیق پر کام والوں کو پریشانی نہ ہو۔ اس سلسلے میں آپ سے گزارش ہے کہ اپنی منظوم و منثور تصنیفات ارسال فرمائیں۔ ساتھ ہی کمال جائسی کی تصنیفات بھی روانہ کریں اور کمال جائسی کا پتہ بھی تحریر کریں۔ ساتھ اپنی اور کمال جائسی کی دو دو عدد تصویریں بھی روانہ فرمادیں۔ دوسرے ''خرام'' کانپور کے ایڈیٹر سے کبھی موقع ملے تو کہئے گا کہ وہ بندہ کی نظمیں، غزلیں یا ادبی مضامین خرام میں شائع کر دیا کریں۔ ممکن ہو تو کبھی کانپور مشاعرہ میں مدعو کیجئے۔ گھر پر سب کو دعا و سلام کہیے۔

حررہ

خویدم العلماء والادباء

سیّد مصطفٰے حسین نقوی اسیفؔ جائسی

سیّد واڑہ، بہرائچ (یو۔پی)

۲۴ر دسمبر ۱۹۹۹ء

محترم کوثر جائسی صاحب

تسلیمات

''انشا'' ایک صحتمند ادبی رسالہ ہے جو اشاعت کے چودہ سال مکمل کر کے کلکتہ کی تاریخ صحافت میں بے مثال قرار دیا جا چکا ہے۔ انشا کو بین الاقوامی سطح پر شہرت اور وقار حاصل ہے۔ اس کی اشاعت دو ماہی ہوتی ہے۔ قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے اور زر سالانہ ۱۲۰ روپے ہے۔

آپ سے التماس ہے کہ آپ اپنی معیاری اور غیر مطبوعہ تخلیقات انشا کے لیے روانہ فرمائیں۔ اور اس کے مستقل ممبر بن جائیں۔ کیونکہ انشا ممبری کی بنیاد پر چلایا جاتا ہے۔ اس کا زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بنام Insha Publications ارسال کر سکتے ہیں۔ اشاعت کے لیے ممبری کی کوئی شرط نہیں ہے لیکن ممبران باخصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ نمونے کی کاپی کے لیے ۲۰ روپے منی آرڈر سے روانہ کر سکتے ہیں۔ یہ خط توسیع اشاعت کی مہم کے تحت روانہ کیا جا رہا ہے۔

۱۹/جون ۲۰۰۰ء

محترم المقام حضرت علاّمہ کوثر جائسی صاحب

سلام مسنون

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔عرض خدمت یہ ہے کہ

لکھنؤ مسلم ایسوسی ایشن کی مجلسہ منتظمہ نے امسال آپ کو نعتیہ ایوارڈ دینے کا فیصلہ اتفاق رائے سے کیا ہے۔ یہ ایوارڈ جشن سرکار دو عالمؐ منعقدہ ۲۲/جون، بروز پنج شنبہ، بوقت ۹ بجے رات، بمقام سیّدنا صدیقؓ اکبر ہال، سنّی انٹر کالج میں بدست عالی جناب ''یوگیندر نارائن'' چیف سیکریٹری اتر پردیش دیا جائے گا۔

امید ہے کہ آپ جلسہ سیرت النبیؐ ومشاعرہ نعت ومنقبت میں شرکت فرما کر قبولیت کا شرف بخشیں گے۔

آپ کے قیام وطعام کا نظم حسب سابق حسبِ روایت محترم الحاج ''عمر انصاری صاحب'' کے دولت کدہ پر ہوگا۔

نوٹ: ایوارڈ توصیفی سند، شال، ٹرافی اور مبلغ پانچ ہزار روپئے پر مشتمل ہوگا۔

خادم

محمد احمد ادیب

جنرل سیکریٹری

۲۵/۲۴ محلّہ ہاشمی (تمبانہ)

مورخہ ۵/جولائی ۲۰۰۰ء

برادر مکرم جناب کوثر جائسی صاحب۔

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔اخبار سیاست جدید ۵/جولائی میں ڈاکٹر زینت رضوی کا مضمون ''مرد میدان تغزل'' دیکھا، پڑھ کر از حد قلبی مسرّت ہوئی۔آپ کی صحت تندرستی اور درازی عمر کے لیے درگاہ خداوندمیں دست بہ دعا ہوں۔

زینت رضوی میری بیٹی ہے۔اس نے ''جائس کی علمی وادبی خدمات'' پر اپنا تحقیقی مقالہ پیش کر کے پی۔ ایچ۔ڈی کی ڈگری الٰہ آباد یونیورسٹی سے حاصل کی ہے۔اور دو سال سے وہ شکاگو (امریکہ) اپنے رفیقِ حیات کے ساتھ رہ رہی ہے۔امریکہ میں وہ اردو اکیڈمی آف امریکہ کی وائس پریسیڈنٹ ہے۔اور ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہے۔چند ماہ پہلے امریکہ کے مختلف شہروں میں مشاعرے کرا چکی ہے۔جس میں ہندو پاک کے مشہور شعرا شریک ہوئے تھے۔

زینت آپ کی بڑی معترف ومعتقد ہے۔آپ نے اس کے ریسرچ کے سلسلے میں جو تعاون دیا ہے اس کی وجہ سے وہ آپ کی بڑی عزت کرتی ہے۔یہ مضمون جو اخبار میں شائع ہوا ہے وہ اس کے تحقیقی مقالہ کا ایک باب سے ماخوذ ہے۔

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔والسّلام

سبط احمد قمر جائسی

قصبہ جائس۔۲۲۹۳۰۵

ضلع رائے بریلی

۲۵/۲۴ محلّہ ہاشمی (تمبانہ)

مورخہ ۷/اگست ۲۰۰۰ء

السّلام علیکم

آپ کا گرامی نامہ مورخہ یکم اگست مجھے مل گیا تھا۔ دو دن کے لیے میں الٰہ آباد چلا گیا تھا۔ آپ کے عنایت نامہ کا تذکرہ نیز آپ کی مبارک باد میں نے نور چشمی زینت سلمہا کو بذریعہ ٹیلی فون پہونچادی ہے۔ میں اس خط کے ساتھ ان کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر آپ کو بھیج رہا ہوں۔ ڈاکٹر زینت کے شوہر شاہد رضوی (حیدر آبادی) امریکہ میں ادبی سرگرمیوں کے لیے مشہور ہیں۔ اسی سال انھوں نے فروری میں جو مشاعرے امریکہ کے مختلف شہروں میں کیے تھے ان میں آپ کی شاگردہ آنا دہلوی بھی تشریف لے گئی تھیں۔ آپ آنا سے ان لوگوں کے حالات دریافت کر سکتے ہیں۔ کمالؔ سلمہ کے لیے میں نے بھی زینت سے کہہ دیا ہے، کمالؔ جائسی کا پتہ بھی عنقریب زینت کو خط لکھوں گا تو بھیج دوں گا۔ کمالؔ نے بھی اپنا مجموعہ کلام ''سادہ ورق'' زینت کو دے دیا تھا۔ زینت کے تحقیقی مقالہ میں کمال سلمہ کا بھی خصوصی تذکرہ موجود ہے۔ میرا بیٹا سید جاوید احمد رضوی کانپور میں ہے۔ وہ HBTI انجینیر نگ کالج۔ نواب گنج کانپور میں انجینیر نگ کے آخری سال (چوتھے سال) میں زیر تعلیم ہے۔

آپ کی صحت تندرستی اور درازیٔ عمر و اقبال کے لیے درگاہ خداوند میں دست بہ دعا ہوں۔ والسّلام

نیاز کیش

سبط احمد قمر جائسی

زینت سلمہا کا پتہ :

Dr. Zeenat Razvi

735,Heritage Dr

Hoffaman Estates,IL

60194-1451(U.S.A)

ٹیلی فون نمبر :

001-847-755-0921

۲۰۰۲/۱۱/۱۳

لکھنؤ

عالی جناب علاّمہ کوثر جائسی صاحب سلام مسنون

خدا کی ذات پاک سے امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ رضوان میاں (جو میرا پیغام لے کر آپ کے پاس حاضر ہوتے رہتے ہیں) کا فون آیا تھا اور انہوں نے تفصیل سے بات کی۔ میرا خیال ہے کہ میں مجموعہ آپ سے عید کے بعد ہی لوں۔ ایسی کوئی تاخیر کی بات نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ آپ کی مستند رائے اور دعائیں شامل ہوں۔ کلام مستند ہو جائے گا اور وقار بڑھ جائے گا۔

کتاب کا نام ''ستاروں میں چمک باقی ہے'' تجویز کیا ہے۔ جو میرے ہی ایک مصرعہ کا حصّہ ہے۔ تقریباً سو غزلوں پر مشتمل ہوگا۔ نظم کوئی بھی شامل نہیں کی ہے۔ بقیہ آپ میرے حالات اور زندگی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ سے بہتر مجھے کون سمجھ سکتا ہے۔ اللہ آپ کو صحت عطا کرے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر عرصہ دراز تک بنائے رکھے (آمین)

نوٹ : صفحہ نمبر ۱۸۷ پر درج غزل شامل کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔

فقط

آپ کا خیر اندیش

خالدؔ

نوٹ: خالد فتحپوری، انشورنس کمپنی میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے۔ اب رٹائر ہو ہو چکے ہیں۔ رہائش لکھنؤ میں ہے۔

۱۲/مارچ ۲۰۰۴ء

محترم سلام مسنون

برائے فروغ اردو زبان مراد آباد سے شائع ہونے والے اردو ماہنامہ نئی سوسائٹی کو آپ کے مالی تعاون کی اشد ضرورت ہے لہٰذا درخواست ہے کہ از سالانہ ایک سو روپے بذریعہ منی آڈر ارسال کر کے ممنون کریں۔ انشاءاللہ ماہنامہ آپ کی خدمت میں پابندی کے ساتھ پہنچتا رہے گا۔ نیز اردو سے محبت رکھنے والے دو اشخاص کے پتے ارسال فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

نیازمند

مشتاق اشرف

ایڈیٹر

مکرمی تسلیم

علالت کی وجہ سے آپ کے عنایت نامہ کا جواب تاخیر سے تحریر کر رہا ہوں۔ جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ آپ کی چاروں غزلوں کے اوزان و بحر کی وضاحت درج ذیل ہے۔ یہ میری ناچیز تحقیق ہے۔ نیز یہ واضح ہو کہ علم عروض میں میری واقفیت بقدر ضرورت ہے۔ میری وضاحت سے اگر آپ مطمئن نہ ہو تو مطلع فرمائیے۔

غزل ۱ آپ کے متعینہ ارکان : مفاعلن فعول مفاعلن فعول

اس کا تعلق بحر عریض سے ہوسکتا ہے۔ (جسے مقلوب طویل کہتے ہیں)

بحر عریض مثمن سالم : مفاعیلن فعولن مفاعیلن فعولن

مزاحف ارکان : مفاعلن فعول مفاعلن فعول

مقبوض مقبوض مقبوض مقصور

غزل ۲ آپ کے متعینہ ارکان : مفاعلن فعولن مفاعلن فعولن

اس کا تعلق بحر بسیط مثمن سالم سے ہے۔

بحر بسیط مثمن سالم : مستفعلن فاعلن مستفعلن فاعلن

مزاحف ارکان : مفاعلن فعلن مفاعلن فعلن

مخبون مخبون مخبون مخبون

فعلن کہیں مخبون کہیں مخبون مسکّن ہوسکتا ہے

اس وزن کی مثال میں سلسلہ بحرِ بسیط مثمن مخبون چراغ سخن میں فارسی کا یہ شعر درج ہے۔

بہ چہرہ چوں قمر کے بہ لعل لب شکرے

بہ رخ چو برگ گلے بہ زلف مشک ترے

غزل ۳ متعینہ ارکان : فاعلن فاعلن مفعولات

بہ وزن بحرِ سریع مسدس سے تعلق رکھتا ہے

بحرِ سریع مسدس سالم : مستفعلن مستفعلن مفعولات

مزاحفِ ارکان : فاعلن فاعلن مفعولات

مرفوع مرفوع موقوف

زحاف رفع عام زحافات سے ہے۔کسی مقام پر بھی اِستعمال ہوسکتا ہے۔لیکن محقق ''طوسی'' نے کہا ہے کہ جہاں رفع سے کسی دوسری بحر سے مشابہت ہو جائے وہاں ممنوع ہے (قواعدالعروض)بقول مصنف قواعدالعروض حضرت قدر بلگرامی فعلن مرفوع ہے بزبان فارسی مصدر میں پایا گیا ہے مگر چاروں جگہ درست ہے (قواعدالعروض ص۔۶۵)

میرا خیال ہے کہ آپ کا موجودہ وزن کسی دوسری بحر کے وزن سے نہیں ٹکراتا۔

غزل ۴ متعینہ ارکان : فاعلن مفعولات فاعلن

اسے بحرِ منزح مسدس سالم سے متعلق کہا جاسکتا ہے۔

بحرِ منزح مسدس سالم : مستفعلن مفعولات مستفعلن

مزاحف ارکان : فاعلن مفعولات فاعلن

مرفوع مرفوع مرفوع

آپ نے متعینہ ارکان کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ اوزان کس طرح استخراج کیے گئے ہیں۔سارا بار مجھ ناتواں کے سر ڈال دیا۔خیر میں نے تعمیل ارشاد کر دی ہے۔

آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا ہے کہ مجھے عروض کے ماہر ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔بہت سے مقامات اشعار میں ایسے آجاتے ہیں کہ میری صلاحیت جواب دے جاتی ہے۔چنانچہ دوران مطالعہ مجھے ایک قصیدہ فارسی دیکھنے کا اتفاق ہوا جو ظہیر فاریابی کے مجموعۂ قصائد میں ہے۔

میں نے بہت سر مارا لیکن اس کے اوزان و بحر تک ذہن کی رسائی نہ ہوئی۔ میں اس خط کے ساتھ اس قصیدے کی نقل ارسال کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ضرور اس مشکل مرحلے میں رہنمائی فرمائیں گے۔

نوٹ : آپ ازراہ کرم اپنی تیسری غزل کے کل اشعار کی نہیں صرف مطلع کی تقطیع کر کے روانہ فرمائیں۔ کیونکہ میں اس مقام پر ٹھہر گیا ہوں۔

مخلص

نامی انصاری

۷۸۶

محترم ومکرم کوثر صاحب جائسی!

سلام ورحمت

کئی ماہ گزر گئے آپ کی خدمت میں (بذریعہ زبیر شفائی صاحب) آوارہ سلطانپوری کی تصنیف ''نایاب ہیں ہم'' کی ایک جلد ارسال کی گئی تھی تاثرات کیا ہیں اس سے بھی محروم ہوں۔اس کتاب میں آپ کا ذکر خیر بھی ہے۔

خدا کرے کی آپ بخیر و عافیت ہوں۔

منتظرِ کرم

ندیم صدیقی

نوٹ: ندیم صدیقی ممبئی ہی میں قیام پذیر ہیں اور ایک بڑے اردو اخبار سے وابستہ ہیں۔بہت اچھے صحافی ،شاعر اور ادیب ہیں۔کوثر جائسی کے محلے میں ہی ان کا بچپن گزرا ہے۔کوثر جائسی کے سلسلے میں ان کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے۔

House no,8

inside maqbra, gola ganj

Lucknow.

مکرمی ۔ السّلام علیکم

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔اس سے قبل کئی خط خدمت عالی قلم بند بھیج چکا ہوں۔ہنوز جواب سے محروم رہا۔آنجناب کے ارشاد پران کا عنایت نامہ منسلک ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔اور جواب خط سے سرفراز کریں۔

فقط والسّلام

خیر طلب

سکندر

محترم کوثر صاحب

بعد از السّلام علیکم و پرشش احوال

کتاب حاضر ہے۔ بڑی تلاش کے بعد ایک آدمی ملا۔ حامل رفع ہے۔بس ابھی ملاقات ہوئی ۔ کتاب حوالے کر دیا امید ہے آپ کو کتاب مل جائے گی ۔رسید کا انتظار رہے گا۔بچّے بہو اور جملہ پرسان حال کی خدمت میں درجہ بہ درجہ سلام اور دعائیں ۔ایک تصویر جس میں گھر بھر کے افراد شامل ہوں عنایت فرمائیں تو عنایت ہوگی ۔یادگار کے طور پر رکھوں گا۔اور حالات کیا لکھوں۔کیچڑ میں زندگی ہے گھورے میں آشیانہ۔

کوئی غزل، حمد، مناجات جو آسان اردو میں ہو تو روانہ کیجیے گا۔آپ کے تمام پرستار سلام کہتے ہیں جیسے ہنر پرتاب گڑھی ،خمار املنیر ی ،سلطان کانپوری ،شفق صاحب ،شبیر احمد راہی (الحاج) ،عبدالکریم حقی ، اراکین تخلیق ادب وغیرہ۔

خیر اندیش

راہی عارفی

امین آباد پارک لکھنؤ

تاریخ: ۳۰؍فروری ـــــء

مائی ڈیر کوثر صاحب اور اعجاز میاں

سلام مسنون!

بھائی حال یہ ہے کہ:

مصلحت کا یہ تقاضا ہے کہیں تھک کے نہ بیٹھ
اور طبیعت کہ جہاں جایئے گھبراتی ہے

کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ کبھی کہا تھا؛

مرے نام آئے ہوئے میرے ان یاروں کے خطوط
ہو کے برسوں کے پرانے بھی نئے لگتے ہیں

اب نئے خطوں کے جواب روزانہ کل پر ٹلتے رہتے ہیں اور آخر پرانے ہو کر جواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کیا کروں کچھ اچھا نہیں لگتا۔

ادھر دو سفر کرنا پڑا کہ دلّی اُردو شاعری کا غالبؔ ایوارڈ لینے گیا اور وہاں سے آکر مدراس کے لیے چل پڑا۔ ٹرین میں مجھ پر تیسرا دل کا دورہ پڑا۔ میں نے بھوپال میں میڈیکل ایڈ طلب کی تو ناگپور میں ڈاکٹر نے آکر مجھے دیکھا اور آگے کا سفر ترک کرنے اور ناگپور میں اتر جانے کو کہا۔ جو میں نے مانا نہیں اور سفر جاری رکھا۔ بہر حال مدراس ہو کے آگیا اور ایک ہفتہ کمانڈ ہاسپٹل میں داخل رہا۔ اب ہاسپٹل سے چھوٹ کے گھر آگیا ہوں۔ ڈاکٹروں نے کہا ہے کے بیڈ ریسٹ کیجیے۔ سو کر رہا ہوں۔ میری آپ حضرت سے گذارش ہے کہ کبھی آکر صورت دکھا جایا کیجیے۔ اور میرے جواب کا انتظار نہ کیا کیجئے۔ کچھ لکھنے پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔ جگرؔ صاحب کا یہ شعر یاد آرہا ہے:

احباب مجھ سے ترک تعلق کریں جگرؔ
اب آفتابِ زیست لبِ بام آگیا

فقط والسلام

آپ کا زندگی سے بیزار عمرؔ انصاری

سلام مسنون!

استاذی مدظلہ العالی کل میں نے آپ کی خدمت میں پوسٹ کارڈ روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد ہی آپ کا گرامی نامہ میرے کلام سمیت موصول ہوا۔ میں آپ کی نوازشوں کا اور کاوشوں کا کس زبان سے سپاس ادا کروں۔ جو حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ اس کا میں معترف ہوں۔ علالت اور بے چینیوں کے باوجود آپ مجھے عزت بخشتے ہیں۔ میری بھی صحت ان دنوں خراب ہوگئی ہے۔ مگر ذوق شاعری سے مجبور ہو کر کچھ نہ کچھ لکھا کرتا ہوں۔ جو آپ کی اصلاح خاص سے محسّباً مکمل ہو جاتی ہے۔ اور کوئی عجلت نہیں ہے۔ حسبِ موقع جو کلام رہ گیا ہے۔ آج کی دو غزلیں روانہ کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمالیجیے گا۔ پیرزادہ ہوں، جان و دل سے آپ کے لیے دعائے ترقی و صحت ہمہ وقت رہتی ہے۔ خداوند عالم آپ کا سایہ دائم و قائم رہے۔ آمین۔ گھر میں سب اعلیٰ قدر مراتب سلام دعا۔ فقط والسلام احقر ازلی

انعام اشرف جیلانی
جائس رائے بریلی

نوٹ: سید انعام اشرف تابانی جائسی ابھی بقدر حیات ہیں۔ شاعری ان کو ورثہ میں ملی ہے۔ ان کے والد کا نام شاہ مبارک اشرف تھا جو شاعر حکیم حاذق اور صحیح معنوں میں صوفی کہلائے جانے کے قابل تھے۔ ان کا غیر مطبوعہ بہت سا کلام موجود ہے۔ شاہ مبارک اشرف، شاہ علی حسن جائسی کے نواسے تھے۔ ''شاہ علی حسن جائسی فن اور شخصیت'' فاروق جائسی کی تنقیدی اور تحقیقی کتاب ہے۔ جس میں شاہ علی حسن جائسی کا فارسی اور اردو کلام موجود ہے۔ فارسی قصائد کا ترجمہ فاروق جائسی نے سلیس اردو میں کیا ہے۔

میرے محترم حضرت کوثر

سلام و نیاز

.....قضا.....سلمہ کا خط ملفوف ہے۔ان کے سبھی اشعار دیکھ لیجیے۔عزیزی کمال جائسی، جناب بقا اناوی اور جناب اخلاق حسین چشتی کلینک میں آئے اور مژدۂ جاں فزا سنا کر خوش کر دیا۔آپ بھی جشن حضرت کوثر جائسی کی اجازت دے دیجیے۔شکریہ

مبارک ہو۔

ڈاکٹر متین نیازی

۷۸۶

عزیز مکرم

جناب رہبر تابانی

سلام مسنون!

آپ کا عنایت نامہ ایسے وقت میں مجھے ملا جبکہ میں بیمار ہوں۔کڈنی کے آپریشن کا مرحلہ سامنے ہے۔خدا نے چاہا تو آٹھ دس دن میں آپریشن کا آغاز ہو جائے گا مکمل آرام کے لیے کم از کم ایک ماہ کا عرصہ درکار ہوگا۔پھر بھی میں نے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔کسی شعر کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے اصول، علم، معانی کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔علم معانی ایسے قواعد کا نام ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہے یا نہیں۔مطابقت کو جو کلام کی طرز سے سمجھی جاتی ہے اسے خاصیت الترتیب کہتے ہیں۔

زیرِ بحث نعت شریف کا شعر:

کچھ اور بڑھی وحشت کچھ اور جنوں نکھرا
جب قصرِ رسالت کے مینار نظر آئے

قابلِ غور سے پہلے مصرع میں وحشت کے بڑھنے کا ذکر ہے۔عاشق رسول کو جب قصر رسالت کے مینار نظر آئے تو وحشت کیونکر بڑھی۔رہا جنوں کا نکھرنا اور جذبہ حصول قربت کا ترقی کر جانا فطری امر ہے۔وحشت صفت ہے وحشی کی اور غیاث اللغات میں اس کے یہ معنی لکھے ہیں۔''وحشی'' جانور صحرائی رمیدہ از مردم اس کے آگے طویل عبارت ہے جسے یہاں تحریر کرنا بے ضرورت ہے اس جگہ میں شرح دیوان غالبؔ مرتبہ پروفیسر سلیم چشتی ہے۔

غالبؔ کے دو شعروں کی شرح نقل کر رہا ہوں تا کہ وحشت کے معنی واضح ہو جائیں۔

زندان میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

(غالبؔ)

چارہ سازی بمعنی علاج۔وحشت بمعنی انسانوں سے نفرت۔تنہائی کی طرف میلان کنایہ ہے صحرا نوردی سے۔ص ۲۶۰

۲) وارستگی بہانہ بیگانگی نہیں

اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

(غالبؔ)

وارستگی بمعنی ہر قسم کی پابندیوں سے آزادی، وحشت بمعنی اجتناب کرنا اور بھاگنا نفرت کرنا۔بہر حال وحشت اسی عالم اور کیفیت کو کہتے ہیں۔

قصرِ رسالت کے مینار جب نظر آئے تو وحشت کے بڑھنے کے اسباب کیا ہیں۔

قصرِ رسالت کا نظارہ انتہائی پُر کیف ایمان افروز اور سرور افزا ہے اس سے وحشت کے پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں البتہ جنون حصول قربت نکھر سکتا ہے۔میری ناچیز رائے میں لفظ وحشت کا استعمال بے محل اور سوئے ادب کا پہلو رکھتا۔

بارگاہِ مصطفویؐ کی عظمت کیا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل شعر سے فرمائیے۔

ادب گاہ ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم گشتہ می آید جنیدؔ و بایزیدؔ ایں جا

ممکن ہے کہ صاحبان ذوق میری اس تحریر سے مطمئن ہو جائیں۔میرے اظہار خیال کا کیا ردعمل ہوتا ہے اس سے مجھے ضرور مطلع فرمائیے۔

خیر اندیش

کوثرؔ جائسی

مخلصانہ تبصرہ

پیشِ نظر مجموعہ نعت ''نسیم فردوس'' ''مولانا نسیم بستوی'' کے حسن تکلم کا آئینہ ہے۔مولانا کا اسم گرامی محمد صابر القادری ہے۔موصوف فاضل ادب اور واقف نکات شریعت نیز شرف یاب درس نظامی ہیں۔دین کے ہر گوشے پر عالمانہ دسترس رکھتے ہیں۔وہ تقریباً پندرہ مذہبی و ادبی کتب کے مصنّف ہیں۔اللہ نے انھیں پاکیزہ ذوق شعر و سخن بھی عطا فرمایا ہے۔ان کا کلام ملک کے معتبر مذہبی اور میعاری ادبی رسائل میں عرصے سے شائع ہوتا رہا ہے۔فی الحال ماہنامہ فیض الرسول جدید براؤن شریف کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے سرگرم ترتیب و تنظیم ہیں۔مولانا کی گوناگوں اہلیتوں کے ساتھ ان کا ذوق شعر گوئی شخصیت کا طرۂ امتیاز ہے۔انھوں نے نعت نگاری کا ایک منفرد انداز اختیار کیا ہے۔نعت گوئی کے لیے جس احتیاط و سلیقۂ ادب و احترام کی ضرورت ہے وہ حضرت نسیم بستوی کی حدودِ نگارش میں موجود ہے۔محبّ مکرم حضرت مولانا قمر شاہجہانپوری نے جو سرمایۂ انتخابات ان کی نعتوں کا میرے حقیر تبصرہ کے لیے فراہم کیا ہے۔وہ غور و فکر کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔اس سلسلے میں مولانا قمر شاہجہانپوری میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔

ان ابتدائی تعارفی سطور کے بعد میں نسیم فردوس کے دامن پر نظر ڈالنا اپنے لیے بڑی سعادت تصور کرتا ہوں۔آپ بھی میرے ساتھ مواج نور و نکہت سے فیض یاب ہونے کی سعی فرمائیں۔مولانا نسیمؔ بستوی، علامہ ضیاؔ القادری بدایونی اور علامہ شفیقؔ جونپوری سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ایسے سرچشمہ ہائے علم و فن سے سیراب ہونے والا یقیناً خوش نصیب ہے اور ان شعرائے گرامی سے ان کی نسبت باعث صد افتخار ہے۔ان کے بقیہ اشعار پاکیزہ اسلوب اور شگفتہ و سلیس زبان سے آراستہ ہیں۔یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مدینہ کی گلی بھی کیا گلی معلوم ہوتی ہے

بہر سو خلد کی اک دلکشی معلوم ہوتی ہے

نظر والوں سے پوچھو شہر طیبہ کی فضاؤں میں

فروزاں رحمتوں کی چاندنی معلوم ہوتی ہے
حبیبِ کبریا سلطان دوراں کی گدائی میں
بلندی سرفرازی خسروی معلوم ہوتی ہے

حسن استفہام اور حسن کنایہ کی شان درج ذیل اشعار میں دیکھیے۔

کون ہے حسن مجسم نور کی تصویر کون
دہر میں ہے تاج دارِ عظمت و توقیر کون
کس کی ذات و پاک ہے توحید کی روشن دلیل
معنی قرآں کا ہے ہر رنگ میں تفسیر کون

پیش کردہ سوال میں ایک ہی روشن جواب ہے۔ جو یعنی ذات سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو ارباب عقیدت اور نکتہ بین شریعت سے پوشیدہ نہیں۔ اسی کا نام حسن کلام اور معنی آفرینی ہے۔ مولانا نسیم بستوی کے یہ شاہکار اشعار فضائے ایمانی میں سامانِ چراغاں کرتے رہیں گے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

زندگی بخش و روح پرور ہیں
سرور کائنات کی باتیں
آج بھی گونجتی ہے دنیا میں
ان کی ذات و صفات کی باتیں
خوش نوا عندلیب چھیڑ ذرا
خواجۂ کائنات کی باتیں
گفتگوئے رسول کا مفہوم
امن و صلح و نجات کی باتیں

یہ پیرایۂ بیاں کتنا پاکیزہ اور مزین حقیقت ہے جس میں نسیم ان کی انفرادی شاعرانہ شان سے جلوہ گر ہے۔ مختصر یہ ہے کہ نعت نگاری کی پاکیزہ روش مولانا نسیم بستوی کو ایک محتاط اور حقیقت آگاہ شاعر ثابت کرتی ہے۔ امید ہے کہ صاحبان علم وفن اور دانشوران خوش نگاہ اس مجموعہ نعت کو بہترین ارمغان ایمانی سمجھیں گے۔ اور نسیمِ فردوس کی اشاعت کو خوشگوار فریضہ سمجھ کر ہر ممکن تعاون سے کام لیں۔ انشاءاللہ

کوثر جائسی